نوٹ :- چونکہ یہ رسالہ مفت تقسیم کیا گیا ہے۔ کوئی صاحب اس کے فروخت کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسینٌ منّی و انا من الحسین علیہ السلام

سنہ ۱۹۱۰ء

برکاتِ محرّم

یعنی اعانتِ عزائے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے سلسلے کا پہلا رسالہ

مؤلفہ

عالیجناب فضائل انتساب حکیم سید ذاکر حسین صاحب اختر صانہ اللہ عن الشر

جسکو

برکاتِ محرّم فنڈ کی انتظامیہ کمیٹی نے

سنہ ۱۳۲۸ھ

مطبع یوسفی دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

التماس مؤلف

سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام روحی لہ الفدا کی عزاداری میں ہر وہ مسلمان جسکے دل میں رسول اور آل رسول کے عشق کا شعلہ فروزاں ہے غمگین اور ملول نظر آتا ہے اور حسین علیہ السلام کی تعزیہ داری اُسکے نزدیک داخل ہے شعائر اسلام میں۔ شعائر ایمان میں۔ لیکن کچھ دنوں سے مخالفت کی ہوائیں اس شمع دل افروز بجھانا چاہتی ہیں اور عزاداران حسین علیہ السلام کی طرح طرح کے اعتراضوں سے دلشکنی کی جاتی ہے۔ مخالفت کے اس اُمنڈتے ہوئے طوفان کی روک تھام کے لئے یہ رسالہ لکھا گیا ہے۔ اِس میں اختصار کے ساتھ عقلی و نقلی دلائل سے عزاداری کے محاسن دکھائے گئے ہیں اور اعتراضات کی تردید پر مہذب پیرایہ میں قلم اُٹھایا گیا ہے جس مسلمان کے ہاتھ میں یہ رسالہ پہنچے اُسے لازم ہے کہ نہ صرف خود دیکھے بلکہ دوسرے بھائیوں کو بھی استفادے کا موقع دے۔ اس رسالہ کے ذریعہ سے حقانیت کی روشنی نظر آسکتی ہے بشرطیکہ ہر قسم کے خیالات سے خالی الذہن ہو کر اسکا مطالعہ کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واقعۂ کربلا

۱۵۔ رجب ۶۰ھ ہجری اسلامی دنیا کے لئے وہ نامبارک تاریخ تھی جس کے آثار تا قیامت اسلام کے دامن پر اس خون کا دھبہ لگاتے رہیں گے جسے خود رسولؐ اللہ کا خون کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ حضرت پیغمبرؐ کی وفات کے بعد ہی مسلمانوں میں خانہ جنگیاں شروع ہو گئی تھیں۔ خونخوار طبیعتیں ایام جاہلیت کے خونی مناظر کی دلدادہ پائی جاتی تھیں تاہم اس قتل و غارت نے ابھی وہ رنگ اختیار نہیں کیا تھا جس کی بنیاد تاریخ مذکورہ سے پڑتی ہوئی نظر آتی ہے یہ تاریخ اپنے دامن میں اُن خوفناک سازشوں کو لئے ہوئے ہے جنہوں نے انجام کار ایک ایسے شہید کی تصویر جور و جفا کے مقتل میں پیش کر دی جس کی شہادت مُبصر اور حق شناس اسلامیوں کے نزدیک یقینی طور پر رسول اللہ کی شہادت مانی گئی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۱۵۔ رجب ۶۰ھ ہجری کو معاویہ صاحب حاکم شام کی وفات واقع ہوئی اور اور آپ نے برخلاف اس عہد نامے کے جو جناب امام حسن علیہ السلام سے کیا تھا۔ یزید کی بیعت کا بار تمام مسلمانوں کی گردن پر رکھ دیا۔ یہ بوجھ بطیب خاطر برداشت کر لیا جاتا بشرطیکہ یزید میں کسی قسم کی صلاحیت ہوتی۔ مگر یہ شخص کچھ فطرۃً ہی نہایت کج رائے۔ بددماغ اور نفس پرست واقع ہوا تھا اور ان صفات کو حکومت کی صیقل اور بھی جلا دے گئی۔ گو بعض اچھے خاصے مسلمانوں کی ٹکڑی اس کے حلقۂ اثر میں آتی ہوئی دیکھی گئی۔ کیونکہ چاندی کے جوتے کی بے پناہ ضرب ہر شخص برداشت نہیں کر سکتا تاہم دیندار مسلمانوں کا ایک کثیر حصہ اس کی حرکات کو نہایت تنفر کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اسی نفرت کو دور کرنے اور اپنا شاہی سکہ بٹھانے کی غرض سے یزید نے خاص مدینے اور اس میں رہنے والوں کے لئے ایک ایسا تحفہ پیش کیا۔ جس پر اسلامی تاریخ ہمیشہ کے لئے شرم کے دامن میں منہ چھپاتی رہے گی۔ اصحاب فیل سے بھی کعبے کی وہ بےحرمتی وقوع میں نہیں آئی جو یزیدی فوج کے ہاتھوں مسجد نبوی کو برداشت کرنی پڑی

کل تک جس مسجد میں خدا کا رسولؐ مع اپنے جاں باز رفقا کے خدا کی بندگی کیا کرتا تھا۔ آج بہت ہی قلیل مدت گذرنے پر اسکی یہ نوبت ہوئی کہ وہ یزیدی فوج کا اصطبل قرار پائی جن مقامات کا مقدس پیشانیاں بوسہ لیا کرتی تھیں۔ وہاں گھوڑوں کی لید کے ڈھیر دکھائی دئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار یزید کی بد اخلاقیوں کا یہ ایک معمولی نمونہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرابخوار تھا۔ تارک الصلوۃ تھا۔ زانی تھا کیسا زانی معمولی زانی نہیں اُسے محرمات سے بھی زنا کرنے میں کسی قسم کی کراہت نہ تھی یہ باتیں بے تکلف اُسکے مذہب میں جائز تھیں۔ صرف جائز نہیں بلکہ روزمرہ اسکے فرض منصبی میں داخل تھیں اور وہ انھیں بےخوف و خطر عمل میں لاتا تھا۔

علامہ ابن حجر کا جناب معاویہ کے بارے میں یہ فرمانا کہ شرافت و فضیلت معاویہ کے لئے صرف یہی امر کافی ہے کہ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ نے اسے حکومت شام کے لئے منتخب کیا ممکن ہے بعض طبائع کے نزدیک قابل قبول ہو لیکن یزید کے واسطے کوئی اس قسم کا قول پیش نہیں کیا جا سکتا سوائے اسکے کہ حضرت معاویہ نے اسے جانشینی کیلئے غالباً بوجہ الفت پدری انتخاب فرمایا جو بیشک خطا سے خالی نہیں اسے خطائے اجتہادی پر محمول کرو یا خطائے ذاتی پر مگر یہ ضرور ہے کہ اس خطا کے باعث اسلام کو ایک تاریک دن دیکھنا نصیب ہوا یزید کے مناقب اس چودھویں صدی میں جو تصنیف کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اسنے اپنی اولاد کو بہت اچھی تعلیم دلائی تھی اور وہ ایک خوش گو شاعر تھا مگر عالی دماغ مصنف اسکا پتہ نہیں بتا سکتا کہ کون سی یونیورسٹی کو تربیت و تعلیم اولاد یزید کا فخر حاصل تھا نہ وہ یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ جذبہ شاعری اور قوت اسلامی و ایمانی میں کونسا لزوم ہے۔

اکثر وسیع الخیال علمائے اہلسنت یزید کی ایسی ہی حرکات ناشائستہ دیکھ دیکھ کر اُس کے فسق و فجور کے نہیں بلکہ کفر تک کے قائل ہو چکے ہیں گو متوقفین کا گروہ بھی موجود ہے مگر اُن کا تمسک کمزور دلیلوں کے ساتھ پایا جاتا ہے مثلاً یہ کہ لعنت کرنے سے گو وہ لعنت کا مستحق ہی سہی۔ بات کہیں سے کہیں پہنچ گی یا یہ کہ اسکا معاملہ خدا کو سونپ دو ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کو ایک تاریک رستہ پر چلانا چاہتے ہیں اور آزادی رائے کی ایک بہت بڑی نعمت مسلمانوں سے سلب کرنا چاہتے ہیں جو عین

تعلیم اسلام ہے مگر فطرت کا مقابلہ چونکہ انسان کے کمزور دماغ کی تجویزیں نہیں کر سکتیں اس لئے باوجود اس روک تھام کے بھی اس نام سے مسلمانوں میں عام طور پر اتنا تنفر پھیلا ہوا ہے کہ کوئی شخص اس کی طرف منسوب ہونا گوارا نہیں کرتا۔ خواہ وہ حقیقتہً اس کی یا اس کے حوارییں کی اولاد ہو۔

اسی یزید نے تخت سلطنت پر جلوس کرتے ہی اس قتل کی بناڈالی جس کی مظلومیت خود ہی اپنی نظیر ہے چنانچہ اس نے مروان بن حکم کو جو بانقلاب زمانہ جناب معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا معزول کر کے اپنے چچا عتبہ ابن ابی سفیان کو عامل مقرر کر کے مدینہ کی طرف روانہ کیا جسے اشراف مدینہ سے بیعت لینے کی تاکید کی اور حسین علیہ السّلام کے بارے میں خاص طور پر فہمائش کی گئی۔ چنانچہ عامل مذکور نے تسلط کرتے ہی آپ کو بلایا۔ نفس مطلب پیش کیا جس کا جواب حضرتؑ کی طرف سے یہ دیا گیا۔

اے عتبہ ہم اہلبیت کرامت ہیں۔ رسالت کے معدن ہیں۔ ہم حق کی نشانیاں ہیں۔ خداوند جل و علا نے ہمارے قلوب میں حق کو ودیعت رکھا ہے۔ ہماری زبانیں حق پر کھلتی ہیں۔ خدا کا حکم ہماری زبانوں پر رواں ہوتا ہے۔ بےشک میں نے اپنے جد امجد رسولؐ اللہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ خلافت اولاد ابوسفیان پر حرام ہے پس ہم اہلبیت کیونکر ان کی بیعت کر سکتے ہیں جن کے بارے میں رسولؐ اللہ کا یہ ارشاد ہو"

عتبہ نے یہ کیفیت من و عن دربار میں روانہ کر دی اور اس کا جواب بارگاہ یزیدی سے ان تہدیدی الفاظ میں ملا۔ "جو وقت ہمارا یہ مراسلہ پہنچے فوراً اسکا جواب لکھ۔ ہر ایک میری اطاعت کرنے والے یا اس سے خارج ہونے والے کا حال تحریر کر اور اس تحریر کے ساتھ حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہونا چاہئے"۔

تاریخی گتھی سلجھانے کے لئے یہ بھی بیان کر دینا چاہئے کہ ولید ابن عتبہ بھی اس زمانہ میں مدینے کا حاکم تسلیم کیا گیا ہے جسے جناب معاویہ نے مقرر کیا تھا اور اسی ولید کو یزیدی دربار سے فہمائش کی گئی کہ وہ امام حسین علیہ السلام سے بیعت لے۔ چنانچہ اس نے آپ کو طلب کر کے مطلب بیان کیا۔ اور آپ نے اُسکے جواب میں انکاری الفاظ فرمائے یا مہلت طلب کی۔

بہر طور جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ میں اس بڑھتے ہوئے فتنے کا نظارہ کیا تو نہایت حسرت و اندوہ کے ساتھ اپنے جد اکرم۔ مادر گرامی اور برادر محترم کے روضہ کو الوداع کہتے ہوئے مدینہ سے کوچ کر دیا اس سفر

میں معدودے چند عزیز - بی بیاں اور کچھ بچے آپ کے ساتھ تھے۔ اسی شان سے یہ مختصر مظلوم اور مقدس قافلہ حرم اقدس میں پناہ گزین ہونے کے لئے مکہ معظمہ پہنچگیا۔

انہیں دنوں عبد اللہ ابن زبیر بھی مدینے سے بھاگ کر مکہ میں آرہا تھا۔ حکومت کی فوجیں اسکی گرفتاری پر تعینات ہو چکی تھیں۔ گو ظاہراً ان کی تہدید و تنبیہ کا انتہائی نقطہ عبد اللہ ابن زبیر ہو مگر ضمناً حسینؑ ابن علیؑ کا قتل یقیناً مرکوز خاطر تھا ایک تو یہ وجہ دوسرے دغا باز کوفی جو بہت پیشتر سے آپ کو طلب کر رہے تھے۔ اب اُن کے پے در پے خطوط آنے لگے جن کی اصلیت دریافت کرنے کے لئے آپ نے جناب مسلمؑ کو کوفے روانہ کر دیا اور انھوں نے وہاں سے یہ اطلاع دی کہ اسوقت تک اٹھارہ ہزار آدمی حلقہ بیعت میں داخل ہو چکے ہیں یہ بھی اسباب آپ نے مکہ معظمہ سے جدائی اختیار کی اور عراق کا رستہ لیا مگر اس سفر کی سب سے بڑی وجہ وجہ اوّل ہی قرار دیجا سکتی ہے یعنی مکہ معظمہ میں واقع ہونے والے قتل و غارت کا تصوّر چنانچہ ۸۔ ذی الحجہ کو جب آپ روانہ ہونے لگے تو فرزدق نے عرض کی کہ قریب حج آپ کیوں جاتے ہیں فرمایا اگر تعجیل نہ کروں گا تو گرفتار ہو جاؤں گا۔ نیز عبد اللہ ابن زبیر سے بھی یہ ارشاد کیا کہ میں وہ کبش دمینڈھا، نہیں بننا چاہتا جس کے ذبح ہونے سے حرمت کعبہ میں فرق آئے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس نے بھی روکنا چاہا اور کہا کہ حسین حجاز سے نکل کر عبد اللہ ابن زبیر کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرو اور ہوا خواہ بھی مانع آئے۔ مگر آپنے جواب دیا کہ اس دور میں میرے لئے کوئی امن کی جگہ نہیں۔ اگر میں چیونٹی کے سوراخ میں بھی داخل ہو جاؤنگا تو وہاں بھی دشمن نہ چھوڑیں گے۔ اللہ اکبر

غرض ۸۔ ذی الحجہ کو آپ راہی کوفہ ہوئے اور اثنائے راہ میں عبد اللہ بن یقطر اور قیس بن مسہر کو یکے بعد دیگرے اطلاعی خطوط دے کر کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ لیکن منزل ثعلبیہ میں ہی آپ کو شہادت جناب مسلم کی خبر ملی اور منزل زبالہ میں عبد اللہ ابن یقطر کی جنھیں سنکر آپ نے اہل قافلہ کو واقعات کی اطلاع دی اور یہ بھی کہدیا کہ جس کو جانا ہو جائے رہنا ہو رہے۔ چنانچہ یہ اعلان سنکر اعراب جو رستے میں ساتھ ہو لئے تھے۔ متفرق ہو گئے اور وہی معدودے چند عزیز و رفقا ساتھ رہ گئے جو آئندہ چل کر ایک عظیم الشان کام کرنے والے تھے

یہیں سے ہر عاقل نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ کے موجودہ اوضاع و اطوار اس شخص کے سے نہیں تھے جو کسی زبردست دشمن پر چڑھائی کرنے کے لئے نکلتا ہے۔ مگر ہاں آپ کی قوت قدسیہ یہ ضرور ہے کہ موجودہ حکومت کو بالکل ننگ اسلام سمجھتی تھی۔ لہذا ایک خاص جہاد آپ کے پیش نظر تھا۔ ایسا جہاد جو حق اور باطل کو قیامت تک کے لئے جدا کردے اور پھر کسی برحق امام کو جہاد کی ضرورت ہی نہو۔ حقیقتہً میر انیس اعلی اللہ مقامہ کا یہ شعر نہایت روحانیت۔ صداقت اور حقانیت میں ڈوبا ہوا ہے کہ

اس دبدبے سے زیر کیا فوج شام کو ۔ حکم جہاد پھر نہ ملا نو امام کو

ادھر تو یہ حالت تھی اور اُدھر عبید اللہ ابن زیاد حاکم کوفہ نے آپ کی روانگی کی خبر سنکر چاروں طرف طلائے دوڑا دئے تھے کہ حسینؑ کو کسی اور سمت نہ جانے دیں۔ مبادا وہ مسلمؑ کی خبر سنکر کسی اور طرف نکل جائیں۔ چنانچہ آپ منزل اشراف سے کچھ آگے نکلے تھے کہ حُر ابن یزید ریاحی ایک ہزار چنندہ سواروں کا دستہ لیکر آپہنچا اور حالت یہ تھی کہ پیاس کے مارے گھوڑوں تک کی زبانیں نکل رہی تھیں آپ نے پہلے تمام لشکر کی سیرابی کا حکم دیا۔ پھر بعد دریافت مطلب سردار لشکر کی زبان سے یہ لفظ سُنے "ہمیں حکم ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے سامنے لیجائیں" اسپر گفتگو نے طول کھینچا۔ آپ کی طرف سے کوفہ والوں کے خطوط دکھائے گئے اور یہ بھی کہا گیا کہ اب اگر تم ان سے انجان بنتے ہو میرے حق کے قائل نہیں ہوتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ مگر فرزند رسولؐ کی یہ درخواست قبول نہیں ہوئی اور آخری رائے یہ قرار پائی کہ ابن زیاد کو اصل کیفیت لکھی جائے اور وہاں سے حکم آنے تک واپسی کا رستہ چھوڑ کر کسی دوسری طرف سفر اختیار کیا جائے اور یہ لشکر آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ چنانچہ سرزمین نینوا پر جب آپ پہنچے تو ابن زیاد کا یہ پروانہ حُر کو ملا "حسینؑ کا سختی سے محاصرہ کرو بے آب و گیاہ میدان میں ٹھیراؤ یہ ایلچی تمھارے ساتھ ہے جب تک تم اسکی تعمیل نہ کر دگے" چنانچہ آپ اس بے پناہ جنگل میں گھر گئے تیسری محرم تھی کہ کوفے سے فوج پر فوج آنے لگی۔ بتنے مجمّے ذخار دریا پر پہرے بٹھائے گئے رسولؐ کی اولاد پر پانی بند ہوا۔ اور آخر کار کوفہ و شام کے مسلمانوں نے خونریزی کی ایسی مثال پیش کی جو آجتک نہوئی تھی اور حسینؑ نے اعلائے کلمۂ حق کے لئے وہ عظیم الشان صبر و استقلال ظہور میں

جو ہستی کے صفحہ پر تاقیامت ایسے زریں حرفوں میں چمکتا رہے گا جن کو دیکھ دیکھ کر بڑے بڑے منکرین کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔

ماہ عزا اور اسکی یادگاریں

حسین علیہ السلام نے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جو بے نظیر قربانی کی مثال دنیا میں پیش کی یہ ماننا پڑے گا کہ اس میں کوئی نہ کوئی راز ضرور تھا۔ چنانچہ یہ راز بہت جلد کھل گیا۔ اس شہادت نے عام طور پر ملک میں ایک سنسنی پیدا کر دی جس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ میں اگر ان تمام اثرات کا ذکر کرنے بیٹھوں جو اس شہادت سے ملکی حالت پر مترتب ہوئے تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت پڑے گی۔ ان کا خلاصہ دو لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ حسینؑ نے اپنی مظلومانہ شہادت سے وہ کام لیا کہ ایک بہادر سے بہادر جنرل جرار اور سر فروش فوجوں سے بھی نہیں لے سکتا۔ اب اگر اخلاقی نگاہ سے دیکھو تو یہ شہادت مسلمانوں کے اخلاق کو جبکہ وہ تقریباً مردہ ہو چکے تھے نئے سر سے جلا گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اگر اسلام کو قائم فرمایا تھا تو حسینؑ نے اپنے خون کی صیقل سے اُسے چمکا دیا۔ رسولؐ نے یہ پودا لگایا اور حسینؑ نے اپنے لہو سے سینچا۔ حقیقتہً اگر غور سے دیکھو تو اس زمانہ میں مسلمانوں کی مذہبی حالت باوجود قرب زمانہ رسولؐ نہایت تاریکی میں جا پڑی تھی۔ مگر اس شہادت نے انھیں ہدایت کی روشنی کی طرف بلایا۔ ان میں ایک زبردست مذہبی احساس پیدا ہو گیا وہ نیک و بد میں تمیز کرنے لگے۔ ان کے قلوب میں مظلوم سے ہمدردی رکھنے کی اسپرٹ دوڑ گئی۔ وہ ظالموں سے تنفر کرنے لگے اور عام طور سے حسینؑ کا نام ہر طبقے کے مسلمانوں میں ایک اعلیٰ عزت کے ساتھ لیا جانے لگا۔ نہ صرف یہی بلکہ انھیں ضرورت محسوس ہوئی کہ کم از کم ماہ محرم میں مجالس عزا برپا کریں۔ حسینؑ کا ذکر زبانوں پر لائیں۔ فرزند رسولؐ کے سوگوار بنیں۔ آتش بیان شعراء مرثیے نظم کریں۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکیں اور اس طرح اس ثواب کا کچھ حصہ مل جائے جو جناب سید الشہداء کے انصار کو جان دے کر ملا ہے۔

بعض دماغوں میں آجکل یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس یادگار کی ابتدا بہت عرصے کے بعد بمصالح خاص ہوئی ہے افسوس ہے کہ یہ خیال عند التحقیق غلط ثابت ہوتا ہے اس یادگار کی بنا شہادت کے ساتھ

ہی پڑ چکی تھی ممکن ہے یہ خیال صحیح ہو کہ اہل عرب میں یادگار قایم کرنیکا دستور ہی نہ تھا لیکن بربنائے تسلیم یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اس شہادت نے عرب کا وہ خیال بالکل بدل دیا۔ شعرائے عرب نے جس قدر مرثیے اس کے متعلق لکھے ہیں وہ دلالت کرتے ہیں کہ یہ شہادت عجیب وغریب مصیبت خیز تھی یا یہ کہو کہ قدرت نے اس کی عظمت کا اندازہ کر کے عرب کی پتھریلی زمین کو اُسکے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا اور اسلام کے بڑے بڑے عالم مثل امام شافعی وغیرہ اس مصیبت پر مرثیہ کہنے کو باعث ثواب اور تقاضائے فطرت کے بالکل موافق جانتے تھے۔

اگر اہلبیتؑ کے حالات کا تفحّص کیا جائے کہ اس شہادت نے اُن کی کیا حالت کر دی تھی تو دبند اسلامانوں انکا تتبع کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آئے گا اس شہادت کے بعد مخدّرات عصمت وطہارت نے نہ کنگھی کی نہ سُرمہ لگایا۔ نہ سر میں تیل ڈالا جبتک کہ عبید اللہ ابن زیاد کا سر اُن کے سامنے نہ آگیا پھر جب ماہ عزا نمودار ہوتا تھا۔ اُن کے گھروں سے نالہ وفریاد کی آوازیں بلند ہو ہو کر دنیا کے کانوں سے ٹکرایا کرتی تھیں سیّد سجّادؑ جب تک زندہ رہے روتے ہی رہے۔ تمام عمر کلّۂ گوسفند کا کھانا تو کجا اُس کے دیکھنے کی بھی برداشت نہ کرسکے۔ یہی حال اُن کے بعد دیگر ائمۂ اہلبیتؑ کا رہا اُن کے ہاں برابر مجالس عزا برپا ہوتی تھیں خود روتے تھے دوسروں کو رُلاتے تھے اور حسین علیہ السلام کا ذکر ایک لمحہ کو بھی انھیں فراموش نہوتا تھا پھر یہ کہنا کس قدر بے خبری پر دال ہے کہ اس یادگار کا قیام ایک طویل زمانہ کے بعد ہوا ہے حالانکہ علماء تسلیم کر چکے ہیں کہ مختار اس غم کی یادگار قایم کرنے پر سختی کے ساتھ مُصر تھا اور سلیمان ابن صرد خزاعی صحابی رسول اس بارے میں انکا شریک غالب تھا قطع نظر ان امور کے میں ناظرین کو تصویر کا دوسرا رُخ دکھاتا ہوں حکّام وقت ان مجالس کا انعقاد اپنی ملکی اغراض کے منافی سمجھتے تھے اور جب شاہانہ سطوت اس یادگار کو نہ مٹا سکی تو علماء سے امداد طلب کی گئی جنھوں نے فضائل عاشورا میں احادیث روایت فرمائیں گریہ وبکا وحزن وملال کو ناجائز قرار دیا روز عاشورا روز عید سے بدلا گیا۔ تمام دنیوی زینتیں اُسدن مستحب مُستحب بھی قریب واجب سمجھی گئیں گو محقّقین علماء مثل ابن حجر مکّی نے اُن روایات فضائل عاشورا و زینت عاشورا کو صاف لفظوں میں موضوع

قرار دے کر عداوت اہلبیت کو ان کا ماخذ بنا دیا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اگر حسینؑ پر رونے والے اور اُنکی یادگار قایم کرنے والے صفحۂ ہستی پر موجود تھے تو پھر ان روایات میں کون سے رونے والوں کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عزائے سید الشہدا کی مجلیس یا خون ناحق کی یادگاریں زمانہ قدیم میں حد شیوع تک پہنچی ہوئی تھیں جن کا انکار کرنا گویا دنیا کو ایک کھُلا ہوا دھوکہ دینا ہے پس اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ اسلامی دنیا میں یہ یادگار اسی وقت سے قایم تھی اور چونکہ صاحب یادگار نے مسلمانوں کو استقلال صبر ہمت۔ ثبات قدم اولُوالعزمی اور اعلائے کلمۂ حق میں سخت سے سخت مصائب کی پروانہ کرنے کا ایک پُر آشوب زمانے میں سبق پڑھایا تھا۔

اس نے اسلام کی سچی خدمت کی تھی اس لئے خداوند عالم نے اس کی خدمت کو قبول کیا۔ سراہا۔ قیامت تک کے لئے اسکا بول بالا کر دیا کوئی قوت اس کا نام نہ مٹا سکی۔ کوئی حکومت اس کے فنا کرنے پر قادر ہوئی حتیٰ کہ فاتح قوم کے ساتھ آکر اس یادگار نے ہندوستان پر بھی قبضہ کر لیا اور اپنے حیرت انگیز اثرات کو نہ صرف مسلمانوں تک محدود رکھا۔ بلکہ اہل ہنود کے دل کو اپنا مسکن بنا لیا یہ خدا کی قدرت نہیں تو اور کیا ہے کہ نانا سے دشمنی نواسے سے دوستی اور ایسی گہری دوستی۔ اسی دوستی کا اثر تھا کہ اکثر راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے اسلام میں جذب ہو کر رہ گئے اور اس خدائی مشن نے وہ کام کیا جو آج عیسائی مشن سے بھی باوجود اس قدر دولت صرف کرنے کے نہیں ہو سکتا میں اس خاص بحث پر اگر کچھ لکھنا چاہوں کہ اس شہادت نے غیر قوموں کو کہاں تک اسلام کی صداقت منوائی تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے اس کے متعلق کافی معلومات کا ذخیرہ میرے دماغ میں موجود ہے۔ کاش قوم میری مدد کرے اور میں ان سچے موتیوں کو منظر عام میں رکھ سکوں۔

الغرض ہندوستان میں یہ یادگار دفعتہً پھیل گئی اور یہ بھی خدا کی نمایاں قدرت ہے کہ امتداد زمانہ اس میں کسی طرح کے آثار اندارس و کہنگی پیدا نہ کر سکا اس میں کسی قسم کی بھی تو کمی نہ ہوئی۔ بلکہ اس کے لوازمات ترقی ہی کرتے چلے گئے اب میں اس امر پر بحث کرنی چاہتا ہوں کہ اس یادگار میں جو مجالس قایم کی جاتی ہیں وہ ایک فعل عبث و بیفائدہ ہیں۔ یا ان سے کوئی فائدہ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ ایّام عشرہ میں خصوصاً اور باقی دنوں میں عموماً یہ مجالس ماتمی طبقہ بکثرت منعقد کیا کرتا ہے
ان کے نفع اور ضرر کا سوال اُٹھایا ہی تو یہ امر ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ وہ فطرۃً
اجتماع کا شایق ہے آپس کا میل جول راہ ورسم اتحاد و اتفاق۔ تبادلہ خیالات یہ ایسے امور ہیں جن
کے لئے انسان مضطربانہ حالت میں دیکھا جاتا ہے یوروپ والے اس ضرورت کو جس شدت کیساتھ
محسوس کر رہے ہیں وہ کسی اہل نظر سے مخفی نہیں مگر اسلام چونکہ اپنے پیرووں کی جمیع ضروریات کا جامع
ہے عین فطرت کے مطابق ہے لہذا اس نے خود بخود ایسے سامان مہیا کر دئے کہ حقیقتہً اگر ہم ان سے
کام لیں تو دین بھی سنوار سکتے ہیں اور دنیا بھی ان سامانوں میں اوّل درجہ تو نماز جماعت کا ہے جس کے بے
انتہا ثواب کا اعلان عجب نہیں انہیں مصالح پر مبنی ہو۔ دوم مجلس عزا اور اس دوسری چیز کو اگر
غلو نہ سمجھا جائے تو میں امر اول سے بھی زیادہ مفید ماننے پر تیار ہوں مگر دلیل کے ساتھ سمجھنے کی
بات ہے کہ نماز جماعت میں جو نمازی آتے ہیں۔ وہ آئے۔ مل کر نماز پڑھی۔ مصافحہ کیا اور چلے گئے
ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی خطیب ہر نماز کے بعد منبر پر جائے اور اپنے کلمات کا اثر حاضرین پر ڈالے
مگر ہاں مجلس عزا میں جو شایقین آتے ہیں اُن کی غرض اصلی یہی ہوتی ہے کہ کوئی خوش بیان واعظ
طلیق اللسان سپیکر منبر پر جائے اور حاضرین کے کانوں میں اپنے لفظ پہنچائے۔ پس ایک خوشگو، خوش
بیان اور حالات زمانہ پر نظر رکھنے والے واعظ کے لئے اس سے بہتر اور کونسا مجمع ہو سکتا ہے جس
میں آنے والے اس شرکت کو دنیوی فوائد کی ہی رہبر خیال نہ کریں بلکہ اسے باعث ثواب بھی سمجھتے ہوں
نیز جس سردار کے نام سے یہ مجلس نامزد کی جاتی ہے اس کی متابعت۔ اُس کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش
نہ صرف مستحسن خیال کریں بلکہ وجہ نازش و افتخار اور موجب نجات اُخروی سمجھیں اللہ اکبر ایسا خالص مجمع
کہیں میسر آسکتا ہے واعظ کے لئے یہ کتنا اچھا موقع ہے کہ وہ عمدہ اور نیک خیالات کی نہایت کامیابی
کے ساتھ اس مجمع میں تلقین کر سکتا ہے اور ہر امر میں نظیر پیش کر سکتا ہے اس فخمند ہیرو کی جس سے
یہ مجلس موسوم ہے وہ صبر پر اگر سامعین کو آمادہ کرنے کی کوشش کرے تو حسین علیہ السلام کی نظیر دے سکتا
ہے وہ اگر استقلال اور ثابت قدمی کے خیالات پھیلانا چاہے تو حسین علیہ السلام کی اُن کے سامنے

مثال پیش کر سکتا ہے وہ اگر اخلاقی کمزوری دور کرنا چاہے تو حسینؑ روحی لہ الفدا کی اخلاقی قوت کا نمونہ اس کے سامنے موجود ہے جنے سر دے دیا اولاد کٹوا دی۔ مال لٹوا دیا مگر ایک فاسق و فاجر کی بیعت گوارا نہ کی وہ اگر نماز کی خوبیاں جتانے پر آمادہ ہے تو کہہ سکتا ہے کہ دیکھو اس نازک وقت میں حسینؑ نے نماز کو نہیں بھلایا ان صدمات میں خدا کی بندگی نہیں چھوڑی زخم کھائے گھوڑے سے گرے اور گر کے پہلے پہل جس چیز نے ریتی پر پیشانی جھکائی وہ خدا کی بندگی کا خیال تھا اب آپ ہی انصاف سے فرمائے کہ تمام اسلام میں نہیں نہیں تمام دنیا میں سوائے حسینؑ کے کوئی شخص ایسا دکھایا جا سکتا ہے جس کی زندگی کے واقعات دینی بہبودی کا بھی اعلیٰ سبق دینے پر تیار ہوں اور دنیوی فلاح کا بھی لا واللہ پھر کیونکر ایسی مجلسوں کو غیر مفید قرار دیا جا سکتا ہے جو سر سے پاؤں تک نورانی ہی نورانی ہیں افسوس ہے کہ عام طور پر مسلمان ان سے غافل بیٹھے ہیں اور وہ اس دولت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے جو خود انکے گھر میں موجود ہے بلکہ الٹا اس سے فائدہ اٹھانے والوں پر ہنستے ہیں افسوس ان مجالس میں سب سے بڑا اعتراض گریہ و بکا پر کیا جاتا ہے لیکن اگر دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو دیکھیں کہ اس رونے رلانے میں بھی کس قدر فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اور یہیں سے اس مشہور و صحیح حدیث کے معنی بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں جنمیں حسینؑ پر رونے رلانے اور رونے والے کی صورت بنانے والے کو جنت کی بشارت دی گئی ہے قطع نظر اس کے کہ رونا اور رلانا انبیاء و اوصیاء و سلف صالحین کا شعار تھا میں بصورت تمدن یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے سینے میں ایک رقیق اور نرم دل ہو ہم ابنائے جنس کی مصیبتوں پر کڑھیں ہمارا دل اُن کی تکلیفوں پر پسیجے جو معنی صحیح ہیں تباکی کے۔ میں نہیں خیال کر سکتا کہ حسینؑ جیسے شخص کی مصیبت جسکے دل پر اثر نہ ڈال سکتی ہو حسینؑ کے مصائب سنکر جسکا دل متحرک ہوتا ہو وہ کیونکر ایک یتیم بچے کی فریاد پر متوجہ ہو سکتا ہے وہ کس طرح ایک بیوہ کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کر سکتا ہے اس سے کہاں تک امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ کا دکھ درد میں ساتھی ہو گا وہ اندھوں اپاہجوں محتاجوں اور واجب الرحم انسانوں کی کہاں تک مدد کر سکتا ہے جبکہ اس کے سینے میں دل کی جگہ فولاد کا ٹکڑا رکھا ہوا ہے۔

اُن کے پاس وہ دل ہی نہیں جو کسی کی زدہ حالت دیکھ کر نرمی اختیار کر سکے پس جبکہ رقت قلب کی تمانی معاملات میں ہزاروں جگہ ضرورت پڑتی ہے تو مجھے بتایا جائے کہ حسینؑ کی مجلس سے زیادہ یہ ضروری سبق کہیں مل سکتا ہے حسینؑ کا ذکر ہمکو رقت قلب سکھاتا ہے اور رقت قلب پر ہزارہا اخلاقی فوائد مترتب ہوتے ہیں پھر اگر ذکر حسینؑ سے پیدا ہونے والی رقت قلب پر جو سرچشمۂ اخلاق ہے جنت کی بشارت دی گئی تو کون سے تعجب کی بات ہے اور کیوں اتنی نادانی سے اسے معرض اعتراض میں لایا جاتا ہے تباکی یعنی رونے والے کی صورت بنانا یہ لفظ ہمارے معترض دوستوں کے لئے ایک خاص دلچسپی کا لفظ ہے مگر میں کہتا ہوں کہ کسی چیز کا مضحکہ اڑانا - اس پر خندہ زنی کرنا اور چیز ہے اور بصفائے قلب اس کی حقیقت کا جانچنا اور چیز - تباکے کے صحیح معنی میں لکھ آیا ہوں "گریہ ضا" جو مقدمہ ہے گریہ و بکا کا پھر جبکہ گریہ ہمارے لئے یقیناً ثابت ہو گیا تو اس کا مقدمہ کیوں غیر مفید قرار دیا جائے گا دیکھو ایک قومی لیکچرار تمہارے سامنے کھڑا ہو کر کہتا ہے کہ مسلمانو! اپنی حالت پر رو دو - رلا دو اور یہ بھی نہ ہو تو کم از کم اسپر تمہارا دل تو کڑھے - اب کیا یہ آخری لفظ قابل تضحیک قرار دیا جا سکے گا - ہائے کیسی بدقسمتی ہے کہ محض تعصب اور عناد کی بدولت ان اصول پر حملہ کیا جاتا ہے جو روزمرہ پیش آتے ہیں اور جن پر عمل کرنا گویا انسانی فطرت میں داخل ہے -

وہ لوگ جن کے نزدیک روحانیت بھی کوئی چیز ہے - اچھی طرح جان سکتے ہیں کہ وہ دعا جو رو رو کر مانگی جائے کس قدر جلد بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتی ہے - پس حسینؑ کی مجلس میں شریک ہو کر جبکہ ہمکو ہر ایک فکر دنیوی سے یکسوئی حاصل ہو - جبکہ صرف ایک مظلوم کی تصویر سامنے ہو اگر ہمارے قلوب کو متحرک اور ہماری آنکھوں کو اشکبار کر رہی ہو تو ایسی حالت میں ان اشکبار آنکھوں کے ساتھ ہم اپنی التجا بارگاہ خداوندی میں پیش کریں تو کیا قبول نہ ہوگی ضرور ہو گی اور اسکا اثر بھی بہت جلد ظاہر ہو جائے گا۔

مجھے تو تعجب آتا ہے اُن لوگوں پر جو شریعت اسلام کے حامل کہلاتے ہوئے گریہ و بکا پر خندہ زن ہوتے ہیں باوجودیکہ خود بانی شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد ہے - فی البکاء انزال الرحمۃ -

اسی طرح اب مرثیہ خوانی و نوحہ خوانی پر نظر کیجئے ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل جب کوئی بزرگ دنیا سے اٹھ جاتا

نوازش کے لئے جابجا مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ جن میں مرنے والے کے اوصاف بیان ہوتے ہیں اس کی وفات پر اظہار افسوس کیا جاتا ہے۔ اس کے پس ماندگان سے ہمدردی کے رزولیوشن پاس ہوتے ہیں۔ یہی مرثیہ خوانی ہے کہ مرنے والے کے پیچھے اوصاف کا بیان دردانگیز پیرائے میں کیا جائے اس سے کون شخص انکار کر سکتا ہے۔ مسلمانو! کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس اخلاقی فرض کی ادائیگی معمولی سے معمولی شخص کی وفات پر ہم سے وقوع میں آئے صرف بیکس حسینؑ کے لئے اسے ناجائز سمجھا جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ اعتراض کرنا کہ مرثیہ خوانی - نوحہ خوانی یا روضہ خوانی میں افراط سے کام لیا جاتا ہے۔ خود تراشیدہ روایات نظم ہوتی ہیں۔ بیان ہوتی ہیں۔ بر سبیل تسلیم اس کے ذمہ دار صرف وہی حضرات قرار پا سکتے ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ اس سے نفس فعل عقلا کے نزدیک غیر مستحسن نہیں سمجھا جا سکتا۔

سب سے زیادہ مذہبی اور نمایاں فائدہ ان مجالس عزا سے جو ماتمی طبقے کو حاصل ہوا ہے۔ اپنے عام اسلامیوں کی نگاہیں ابھی دور میں اسے وہی محسوس کر سکتا ہے جس نے ابتدائے عمر سے ان مجالس میں شرکت کی ہو اور ان پر نتیجہ خیز نظریں دوڑائی ہوں یہ ایک یقینی امر ہے کہ شیعوں کا بچہ بچہ اپنے مذہبی عقائد سے بغیر اس کے کہ کسی سے تعلیم پائے ایک معقول حد تک واقف ہوتا ہے اس کے مذہبی قوے نہایت درست ہوتے ہیں اس کے دل میں مذہب کا کافی جوش موجود ہوتا ہے اور بہت ہی کم بلکہ شاذ و نادر ہی یہ امر دیکھنے میں آتا ہے کہ شیعہ فرقہ کا کوئی ممبر کسی دوسری طرف کھنچ گیا ہو اسکی وجہ صرف وہ راسخ الاعتقادی ہے جو اس قدرت کے قائم کئے ہوئے مذہبی مشن سے اسکو حاصل ہوتی ہے وہ ابتدائے شعور سے بطور ایک مذہبی فرض کے اس مشن میں شریک ہوتا ہے جہاں سوائے مذہبی باتوں کے کوئی آواز اس کے کانوں سے نہیں ٹکراتی اور یہ باتیں اُس کے ذہن میں ایسی نقش ہو جاتی ہیں کہ مٹائے نہیں مٹ سکتیں شیعوں کے لئے گویا یہ ایک نمایاں معاوضہ ہے اس انہماک کا جو اقامت عزائے سید الشہداؑ میں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ دیگر اسلامی فرقے کیوں اس امر کو رشک کی نگاہ سے نہیں دیکھتے مجھے کامل یقین ہے کہ اگر مجالس عزا کا شوق تمام فرقوں میں اسی رنگ سے پھیل جائے جو شیعوں میں موجود ہے تو وہ بہت جلد اپنی مذہبی ترقی

کا عظیم الشان منظر دیکھ سکیں گے۔ میں یہ بھی دعوے سے کہتا ہوں کہ اگر اس کے مقابلہ میں اور کسی قسم کی مجالس ایجاد کی جائیں تو وہ نہ تو اتنی موثر ہونگی نہ دیرپا چندہ روزہ جوش ہوگا جسے زمانہ کا امتداد ٹھنڈا کر جائے گا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہر عشرۂ محرم میں شیعوں کی حالت آپ اسکا مضحکہ نہ اڑائیں۔ بلکہ انصافاً یہ سوچیں کہ کیا کوئی مصنوعی ماتم انسان کو اسدرجہ بیخود بنا سکتا ہے اور پھر آخر کب تک حقیقۃً یہ ایک عجیب و غریب راز ہے بے شک اسے قدرت کاملہ کا ایک اعلیٰ نمونہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ ہاں ٹھہرئیے میں نے غلطی کی یعنی اس اثر کو شیعوں تک محدود کر دیا۔ نہیں نہیں بہت سے اہلسنت ایسے گذر گئے اور اب موجود ہیں جو اس باب میں اگر شیعوں سے بڑھے ہوئے نہیں تو کم بھی نہیں اور شیعہ سنی پر کیا موقوف ہے ان کے تو رسولؐ کے نواسے کا ہی یہ غم ہے۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ وہ قومیں جنہیں اسلام سے کوئی تعلق نہیں اس غم سے بیتاب نظر آتی ہیں۔ ہزاروں غیر مسلم ان مجالس میں شریک ہو کر وہاروں روتے دیکھے گئے ہیں ان سے بھی قطع نظر کرو۔ یہ پھر بھی انسانی گروہ میں شامل ہیں اس غم نے تو تمامی موجودات عالم پر حیرت انگیز اثر ڈالا ہے۔ سلف صالحین کے ان اقوال کا استخفاف نہ کرو کہ روز قتل حسینؑ آسمان سے خون برسا آفتاب کو گہن لگا۔ دنیا تاریک ہوگئی۔ بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون تازہ ابلتا تھا۔ کچھ شک نہیں۔ اس غم نے قدسیوں کے سینے شق کر دیئے۔ روحانیوں میں قیامت بپا ہوگئی اور فضائے گردوں میں یہ آواز گونج رہی تھی۔

اترجو امۃً قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب

پس ایسے غم کی یادگاریں جو مجالس برپا کی جائیں۔ ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ وہ کہاں تک دلوں میں درد بھر سکتی ہیں جب کہ یہ امر واقعی ہے کہ غم انگیز منظر انسانی دل کو بیتاب کرنے میں ہمیشہ کامیاب ثابت ہوا ہے۔

مجالس عزا کے متعلق جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے وہ مشتے نمونہ از خروارے بھی کہا جا سکتا اگر زندگی ہے تو انشاء اللہ ہر سال اس امر کے متعلق کچھ نہ کچھ خیالات پیش ہوا کریں گے۔ اسوقت میرا ذہن عشرہ محرم کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ عشرے کے دن عزادارانِ حسینؑ پر ایک خاص حالت طاری ہو جاتی ہے جس کی طرف میں اشارہ کر آیا ہوں۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔ سنی ہو یا شیعہ تقریباً ایک ہی رنگ میں رنگے جاتے ہیں مگر افسوس کہ بعض طبیعتیں ان کی تضحیک کے درپے نظر آتی ہیں۔ خیر یہاں تک بھی مضائقہ نہیں ہر شخص اپنے اپنے فعل کا مختار ہے مصیبت اور رنج والم کا احساس رکھنے والا تو ردیا ہی کرتا ہے۔

دوسرا اُسپر ہنستا ہے ہنسنے دو ممکن ہے اس کی اخلاقی حالت کا تقاضا یہی ہو۔ لیکن بیحد رنج اس وقت ہوتا ہے کہ جب اپنے طرزِ عمل کو ابلہ فریب دلائل سے جائز ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ کچھ ایسی باتیں ہیں کہ نادان طبائع بہت جلد اُن کا اثر قبول کر لیتی ہیں۔ میں ان میں سے دو باتوں کا ذکر کر کے اس مسئلہ کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ انصاف پسند مسلمان اس معاملے میں بالغ نظر سے کام لیں گے

اولاً نہایت زور شور کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ عاشورے کے دن حسینؑ کو درجہ شہادت علاوہ نعمات الٰہی سے متلذذ ہوئے۔ لہٰذا یہ مسرت کا دن ہے نہ کہ حزن وملال کا۔ حقیقتہً عوام الناس کے گرویدہ کرنے کو تو یہ لفظ اچھے ہیں۔ مگر باطناً ان سے انسداد عزاداری مقصود ہے میں ان الفاظ کی اصلیت آپ کو بتاتا ہوں کسی مسلمان کے لیئے اس سے زیادہ قابل فخر کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ رسول اللہ کے طرزِ عمل کی پیروی کرے اور اسی پیروی پر اُسکا خاتمہ ہو جائے اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے واقعات پر نظر ڈالو اور دیکھو شہدائے بدر کا مرتبہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ اسلامی دنیا میں عظیم الشان مانا گیا ہے جنگ میں حضرت حمزہ شہادت کے درجۂ اعلیٰ پر فائز ہوئے انہیں تقرب خداوندی نصیب ہوا مگر رسول اللہ پر اس حصول تقرب یا شہادت نے کیا اثر ڈالا اس حادثے سے چہرۂ اقدس پر مسرت کی سرخیاں دوڑیں یا رنج والم کا پسینہ پیشانی منور پر افشاں بنکر جھلک گیا باقتضائے مقام اتنا سمجھ لیجئے کہ وحشی قاتل حمزہ کی صورت دیکھنی اُس کے اسلام لانے کے بعد بھی گوارہ نہ فرمائی۔ خود حضرت رسول اللہ کی وفات جب آپ کو قدوسیوں کے حلقے میں لے گئی تو اس سے سیدۃ النساء کی کیا حالت ہوئی۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ اسی غم میں گھل گھل کر جان دیدی۔ حضرت سجادؑ نے دربار یزید میں

غالباً ان ہی شبہات کی تردید میں فرمایا تھا کہ اے یزید اگر رسول اللہ ہمیں اس حالت میں دیکھتے تو اُن کا کیا حال ہوتا اسی طرح اب میں دریافت کرتا ہوں کہ اگر پیغمبر اپنے نواسے کو اس حالت میں دیکھتے کہ تین دن کی بھوک پیاس نے اسے نڈھال کر دیا ہو اُس کے عزیز و رفقا کے لاشے سامنے پڑے ہوں اُس کا نوجوان اٹھارہ برس کا بیٹا جو رفتار و گفتار میں شبیہ رسول تھا سینے پر برچھی کھا کر دم توڑ چکا ہو۔ اُس کا کڑیل جوان بھائی شانے کٹائے ہوئے نہر پر شیر سا پڑا سوتا ہو اُس کے ننھے ننھے بچے خیمہ میں العطش العطش کی آوازیں بلند کر رہے ہوں وہ اپنے ششماہے بچے کو ہاتھوں پر لیے ہوئے ایک بلندی پر کھڑا ہو کر اس قوم سے خطاب کر رہا ہو کہ اے لوگو تمہارے زعم ناقص میں اگر میں گنہگار ہوں تو یہ بچہ تو کسی مذہب و ملت میں بھی مجرم نہیں قرار پا سکتا تم مجھے پانی نہیں دیتے نہ دو اس ننھی سی جان کے حلق میں چند قطرے پانی کے ٹپکا دو بہتے ہوئے دریا میں کمی نہ ہو گی معصوم کی جان بچ جائے گی حسین پر تمہارا احسان ہو گا مگر ان کلمات کا جواب اس طرح ملا ہو کہ بچے کا حلق اور حسین کا بازو ایک تیر میں بندھا ہوا نظر آئے پس بتاؤ خدا کے لیے دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایسی حالت میں رسول اللہ جشن کرتے ہیں تمہیں انصاف سے کہدو انصاف تمہیں پر چھوڑا جاتا ہے میں تو یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم پر انتہائی غم و رنج کی کیفیت طاری ہوتی اور عالم روحانیت میں ہوئی لہذا عاشورے کے دن امور حزن و ملال میں مشغول ہونا سنت رسول اللہ ہے اور محزون اور مغموم ہونے والے رسول کے پیچھے پیرو ہیں اس مقام پر میں جناب خواجہ حسن نظامی صاحب مدیر رسالہ نظام المشائخ کا قول نقل کرنا فائدہ سے خالی نہیں پاتا جو اپنے شہید نمبر میں اس شہادت عظیمہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اب یہاں ایک نہایت باریک اور نازک سوال پیدا ہوا ہے کہ جب شہادت کارخانہ عالم میں ایسی مفید اور ضروری شئے ہے تو اُسکے سبب ماتم کیوں کیا جاتا ہے غمگینی اور افسوس کو اس سے کیا تعلق آہ و بکا کو اس سے کیا سروکار مگر یہ کچھ ایسی پیچیدہ بات نہیں ہے جسکا جواب نہ ہو جو چیز شہید ہو رہی ہے اسکو تو اپنی موت کا کچھ افسوس اور غم نہیں ہوتا اور نہایت بے پروائی اور اطمینان سے اپنی ہستی

ستانے کو آمادہ ہوئی ہے مگر غیروں کے دل پر اسکی چوٹ کا لگنا فطرتی امر ہے بشرطیکہ انکے دلوں میں آدمیت کا حس اور درد شناسی کا مادہ بھی ہو پروانہ شمع کی شہادت اگر دیکھ نہ سکے اور بے چین ہو کر دردیوار سے سر ٹکرائے تو شمع اور نفس شہادت پر کوئی الزام قایم نہیں ہو سکتا یہ تو بہت بڑی خود غرضی ہے کہ جس چیز نے ہمارے فائدے کے لئے اپنی جان دیدی اُسکا ہم رنج بھی نہ کریں۔

جو بتی پہلے جل چکی ہوتی ہے اُسکا سرا آگ جلدی پکڑ لیتا ہے لیکن کوری اور نئی بتی کو جس نے پہلے آگ کی شکل نہ دیکھی ہو مشکل سے روشن کیا جاتا ہے اسی طرح جن دلوں میں اللہ تعالے نے محبت کی آگ کا نشان لگا دیا وہ تو عالم کی تمام شہادتوں میں درد محسوس کرتے اور اثر پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن جو روز ازل سے سنگین سرشت پیدا ہوئے ہیں وہ اس بھید کو سمجھنا کجا سمجھنا چاہتے بھی نہیں"۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عزاداری سے اہلبیتؑ کی ہتک حرمت ہوتی ہے اگر کوئی تمہاری ماں۔ بہن یا بہو بیٹی کا نام اس طرح مجمعٔ عام میں لے یا ان کے اس قسم کے واقعات بیان کرے۔ تو کیا تم گوارا کر سکو گے" میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ اعتراض کس قسم کے دماغ کا نتیجہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے عوام الناس کی جاہلانہ غیرت ابھی بہت کچھ باقی ہے بلکہ اچھے اچھے پڑھے لکھوں میں اسکا اثر پایا جاتا ہے یہی تو ہے جو نکاح ثانی کے فوائد کو منافی عزت و حرمت ٹھیرا رہی ہے وہ اس قول سے یقیناً جوش میں آئے گی مگر یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ اہل نظر ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اور رہیں گے اولاً تو میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ اہلبیتؑ اطہار اور مخدرات عصمت و طہارت کے مصائب سنکر ہر سننے والے کے دل میں کونسی چیز فطرۃً پیدا ہوتی ہے آیا وہ ان بزرگواروں کو ہمدردی اور عزت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے یا ذلت اور نفرت کی آنکھ سے کبھی نہیں۔ اسکا دل بے اختیار تعظیم و تکریم پر مائل ہو جاتا ہے پھر یہ بھی دیکھو کہ کسی مظلوم کے مصائب کا بیان از روئے قانون خلاف کسی قسم کا جرم ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اب رہا مجمع عام میں مخدرات کا نام لینا" اسے باعث ہتک سمجھنا سفاہت کی دلیل ہے۔ ہندوستان کی کمزور اور بیجا غیور طبیعتیں ہی اس سے متاثر ہوتی ہیں اسلامی ممالک میں ان کا پتہ نہیں اور یہاں ہندوستان میں بھی یہ پردہ داری اسی وقت تک محدود رہتی

ہے۔ جب تک انسان دنیا کے کسی اعلیٰ مرتبہ پر نہیں پہنچتا ورنہ کون نہیں جانتا کہ امراء و سلاطین کی بیگمات کے نام عام طور سے بچے بچے کی زبان پر جاری تھے اور اب بھی یہ بات موجود ہے۔ کیا ہز ہائنس بھوپال کا نام نامی پبلک جلسوں۔ اخباروں اور رسالوں میں نہیں لیا جاتا پس معلوم ہوا کہ یہ نام کا پردہ ہمارا خود ساختہ پردہ ہے جسے دنیوی اعزاز تدریجاً زائل کر دیتا ہے۔ اس مقام پر ایک اور نکتہ بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ اگر کسی کی ماں بہن یا ناموس کا نام بغرض تحقیر و اہانت و ذلت لیا جائے جیسا کہ عرب میں بھی دستور تھا کہ تحقیر و تذلیل کے مقام پر یا ابن فلانہ (جبکہ اس کے حسب میں کسی قسم کا نقص ہوتا تھا) کہکر پکارتے تھے یہ تو ضرور مخاطب کو ناگوار گزرتا ہوگا مگر جب معاملہ بالعکس ہو تو کوئی وجہ برا ماننے کی نہیں۔ حسین علیہ السلام کو جہاں یا ابن رسول اللہ کہکر پکارا جاتا تھا۔ وہاں یا ابن فاطمۃ الزہرا کہکر مخاطب نہیں کرتے تھے؟ ضرور کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں تو کیا وہ حضرت اس سے رنجیدہ ہوتے تھے یا ہوتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ میرے دوستو! ان مخدرات کو ہم دینی اور دنیوی ہر دو پہلو سے واجب التعظیم مانتے ہیں ان کا نام ہماری زبانوں پر تعظیم کے ساتھ جاری ہوتا ہے اس سے کون سی قباحت عقلی لازم آتی ہے۔ اگر کوئی برائی ہوتی تو مورخین اسلام ان خواتین کے نام اپنی اپنی کتابوں میں کیوں ذکر کر جاتے۔ حضرت عائشہ و حضرت حفصہ نیز دیگر امہات المومنین سے کیوں روایات اخذ کی جاتیں سب سے عجیب تر یہ ہے کہ خداوند عالم نے بھی قرآن شریف میں مریم جیسی پارسا کا نام شامل کر دیا اور جو کچھ انپر تہمت لگائی گئی تھی اس کی طرف بھی نمایاں حروف میں اشارہ فرما دیا قصہ افک کو ہی دیکھ لو۔ حضرت عائشہ پر جو تہمت تراشی گئی تھی کیا اس کا کتابوں میں ذکر نہیں۔ کیا واعظین سر منبر بیان نہیں کرتے۔ کیا خدا کی کتاب اس بارے میں ساکت ہے۔ جاہلانہ غیرتوں کو جوش میں لانے والا تو یہ واقعہ ہے کہ اہلبیت کے مصائب جن میں یہی بیان ہوتا ہے کہ ان مخدرات کے مقنع چھینے گئے۔ مسلمان اپنے رسول کے حرم کو دربار عام میں لائے۔ اعزازی پردہ عترت رسول کے لیے جائز نہ سمجھا گیا۔ میں خود اسی مخدومہ یعنی جناب زینب سلام اللہ علیہا کا قول کیوں نہ نقل کر دوں جس سے اندازہ ہو جائے کہ وہ اس دنیوی ذلت کو جس کے پردے میں ایک عظیم الشان

قیامت تک باقی رہنے والی عزت پوشیدہ ہے۔ کس نظر سے دیکھتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے دربار عام میں یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے یزید تو نے دنیا بھر کے مصائب ہمارے لئے جمع کر دیئے ہمارے وارثوں کو قتل کیا۔ ہمیں ترک و روم کے اسیروں کی طرح پھرایا لیکن کیا تیرے اس فعل سے ہماری خداوند عالم کے سامنے ذلت و توہین ہو گئی۔ یا تجھے کوئی بزرگی مل گئی۔ حاشا و کلاّ۔ پھر آخر خطبہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ تجھ سے جہاں تک ہو سکے مکر و کید سے کام لے سعی کئے جا۔ کوشش سے ہاتھ نہ اٹھا قسم خدا کی تو ہمارا ذکر محو کر سکتا ہے نہ ہماری وحی مٹ سکتی ہے اور نہ اس ظلم و ستم کی شناعت تجھ سے علیحدہ ہو سکتی ہے" ہمیں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سطحی نظریں جو دنیوی ذلت کو ذلت خیال کرتی ہیں یہ دلیل ضعف ایمان ہے ورنہ حقیقتہً یہ تو مومن کے لئے جائے فخر و مباہات ہے جیسا کہ جناب امیرؑ نے ایک شخص کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھ پر نازل ہونے والے مصائب کا ذکر کر کے تو نے میری قدح کا ارادہ کیا مگر در پردہ میری تعریف کی کیونکہ مومن کے لئے اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ وہ خدا کی راہ میں مصائب برداشت کرے۔ باوجود ان عقلی اور نقلی دلیلوں کے میں نہیں سمجھ سکتا کہ اعتراض مذکورہ کہاں تک وقعت رکھ سکتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ اگر ہماری مستورات کا نام اس طرح لیا جائے تو کیا ہو؟ میں کہتا ہوں کہ ہو کیا۔ کچھ بھی نہیں ہر عزادار حسین بطیب خاطر کہہ سکتا ہے کہ کاش ہماری مخدرات کا بھی ان برگزیدہ نفوس کے ساتھ یہی حال ہوتا اور ان کا نام بھی اسی تعظیم کے ساتھ لیا جاتا جیسے کہ اہلبیت علیہم السلام کا جس میں سعادت دارین کا راز مضمر ہے میرے دوستو! یہ اعتراض صرف جہلا کو بھڑکا سکتا ہے تاریکی سے نکل کر نگاہیں بلند کرو تو اس اعتراض کو انسداد عزاداری کے لئے ایک بے جا اور ناجائز کوشش پاؤ گے۔

مذکورہ بالا الفاظ کے بعد مجھے اس ضروری چیز کو بھی دیکھنا چاہئے جو شعائر عزا میں داخل ہے یعنی تعزیہ اور ضریح اور اس پر نہایت سختی اور نازیبا الفاظ کے ساتھ اعتراض کئے جاتے ہیں۔ گو یہ میں خوب جانتا ہوں کہ ان اعتراضوں اور بندشوں سے قدرت کا زبردست ہاتھ کبھی نہیں رک سکتا۔ طبقہ اسلام و غیر اسلام میں اس کا شیوع ایسی حالت پر پہنچ گیا ہے کہ زبردست سے زبردست قوت بھی اسے فنا

نہیں کر سکتی۔ مگر تاہم میں ان گرفتاران سفسطہ کے اقوال پر نظر کرتا ہوں معترضین میں سے ایک گروہ تو وہی پرانے اجارہ داران بہشت و دوزخ کا ہے یہ حضرات تعزیہ کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ بتوں سے مشابہ فرماتے ہیں اسے بت پرستوں کا فعل بتاتے ہیں۔ مجھے ان اقوال کے نفس مضمون پر تو کچھ افسوس نہیں ہوتا۔ ہاں اسکا ضرور رنج ہے کہ قدرت نے ان کے دماغوں میں سے وہ مادّہ سلب کر لیا جس کے ذریعہ سے کسی شئے پر منصفانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بدعت کسے کہتے ہیں۔ کیا ہر وہ چیز جس کا ظہور رسولؐ اللہ کے بعد ہو بدعت کہلا سکتی ہے؟ پھر تو سخت مشکل ہو گی ہزاروں بدعتیں پیدا ہونگی موجودہ طریق معاشرت بدعت۔ طرز لباس بدعت۔ کھانا بدعت پینا بدعت۔ اخبارات کا شیوع بدعت۔ پریس بدعت۔ چلنا پھرنا بدعت۔ غرض اسلام کے جسم پر ہزاروں بدعات کے سیاہ داغ نظر آئیں گے بلکہ اسلام خاصا بدعات کا پُتلا بن جائے گا اور اگر یہی نادر فلسفہ رہا تو ہر مسلمان کو زندگی وبال ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی تاریک فلسفہ نے آج مسلمانوں کو موجودہ مذلت میں گرفتار کر دیا غیر اقوام کہیں سے کہیں نکل گئیں۔ انگریزی تعلیم سے جس بیدردی کے ساتھ مسلمانوں کو روک کر قوم پر ظلم کیا گیا ہے وہ محتاج بیان نہیں اور اب تک ان کوششوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔ مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام کو اس تاریکی سے کوئی نسبت نہیں۔ اسلام ایسے عجیب و غریب احکام کا مخزن نہیں ہو سکتا۔

سنو! اور توجہ سے سنو بدعت اُسے کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہو۔ بدعت کی یہ تشریح میں اپنی طرف سے نہیں کرتا علمائے اہل سنّت کا یہی ارشاد ہے کما صرح بہ فی الکتب پس کیا اب یہ دعوےٰ کیا جا سکتا ہے کہ تعزیے کی اصل شرع میں موجود ہے اول تو یہ دیکھنا چاہیے کہ اصول فقہ کی رو سے ہر شئے میں اصل اباحت ہے یعنی ہر چیز مباح ہے جب تک کہ اس کی حرمت دلائل قطعیہ سے ثابت نہو جائے اب میں دریافت کرتا ہوں کہ تعزیے کی ممانعت کہیں قرآن و حدیث میں دکھائی جا سکتی ہے ہرگز نہیں۔ اچھی حضرت تعزیہ ہے کیا روضۂ مقدسہ کی نقل ہی تو ہے اسے آخر کس بنا پر بتوں سے تشبیہ دیجاتی ہے کیا فقط اس جرم پر کہ حسینؑ کے روضہ کی نقل ہے ہاں یقیناً اسی جرم پر۔ افسوس!

کسی مکان کے نقشے کو اگر بُت کہا جاسکتا ہے عام اس سے کہ وہ لکڑی سے بنا ہو یا اینٹ پتھر سے تو ایسے حضرات سے بعید نہیں جو مساجد کو بھی یہی خطاب عطا فرمائیں اور اُنکی تعظیم کرنے والوں کو بُت پرست سمجھیں۔ اسلام کا حکم ہے کہ تم دوسروں کو بوجہ حسن اپنی قوت میں جذب کرو اور یہاں اپنی نفسانیت سے متاثر ہوکر اپنوں کو اسلام سے خارج کیا جاتا ہے ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا حقیقۃً اسلام کے لئے اس سے زیادہ بدقسمتی کا زمانہ نہیں ہوسکتا کہ اس کے احکام ان لوگوں سے متعلق کردیے گئے جن میں نہ عقل ہے نہ انصاف۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے کہنے سے نہ کوئی شخص حقیقی مسلمان ہوسکتا ہے۔ نہ کافر۔ بلکہ اس کے پرکھنے کا تو معیار کچھ اور ہی ہے۔

ان مختصر اوراق کے یہاں تک پڑھنے سے ناظرین کو کم از کم اتنا معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں طرز قدیم کی تحریر سے اجتناب کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے فقط نقل اقوال پر اکتفا نہیں کی بلکہ اور بھی خیالات کی جھلک بھی دکھائی ہے جنھیں میں وسعت دیتا اگر اختصار مد نظر نہ ہوتا۔ مگر اس مقام پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان احادیث و اقوال کا مختصراً ذکر کروں جنہیں دیکھ کر انسان اور منصف انسان ایک منٹ کے لئے بھی تعزیے کو بدعت کہنے والوں سے متفق نہیں ہوسکتا

میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ بدعت اُسے کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ پائی جائے۔ مگر تعزیے کی اصل صاف طریق سے موجود ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کی گڑیاں کھیلنے کی روایت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ جس کی نسبت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں کہ "تصویر ناتمام از جناب پیغمبر خدا نیز بنابر افادہ کھلنے منقول شدہ" جبر یہاں سے تصویر کی اجازت تو پائی گئی۔ خواہ وہ کسی نوع سے ہو علامہ فضل ابن روزبہان کتاب ابطال الباطل میں طراز ہیں "لاحرمة فی عمل اللعبة علی ہیئة الخیل" گھوڑوں کی شکل کے کھلونے حرام نہیں ہیں۔ علامہ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں "و فی الحدیث دلیل علی تحریم التصویر وحمل بعضہم الوعید علی من کان فی ذالک الزمان لقرب العہد بعبادة الاوثان واما الآن فلا۔ یعنی حدیث میں جو حرمت تصویر کی دلیل موجود ہے اسے بعضوں نے اس امر پر حمل کیا ہے کہ یہ وعید اسی زمانہ کے لئے تھی جو بُت پرستی سے قریب تھا مطلب یہ کہ ممانعت تصویر کی علت یہ تھی کہ

لوگ بوجہ قریب العہد ہونے کے بت پرستی پر نہ جھک پڑیں جس کا اثر طبائع میں باقی ہے اور اب یہ بات نہیں پائی جاتی فلا باس فیہ تصویر میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس اضطراری تاویل کی آپ جانتے ہیں کیوں ضرورت ہوئی اسی واقعہ پر نظر کر کے جس کی توجیہ جناب شاہصاحب ممدوح الصدر نے فرمائی ہے۔

سطور مندرجہ بالا لکھنے کے بعد مجھے فوراً ہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بحث تو ماٰنحن فیہ سے خارج سی ہے مجھے تصویر ذی روح کی حرمت و عدم حرمت پر بحث کرنے کی مطلق ضرورت نہیں خصوصاً آجکل جبکہ اپنے کُنبے کی تصویروں کا البم رکھنا فیشن میں داخل ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان خود اُن حضرات سے سمجھ لیں گے مجھے تو دکھانا یہ چاہئیے کہ تعزیہ ایک غیر ذی روح کا نقشہ ہے جس کی نسبت مشکوٰۃ میں ابن عباسؓ سے روایت موجود ہے "فاصنع الشجر ومالا روح فیہ یعنی شجر اور غیر ذی روح کی تصویر بناؤ۔ اجازت ہے۔ شرح مشارق الانوار میں مرقوم ہے" ہکذا رخص فی تصویر لاروح مثل الاشجار ونحوہا یعنی اسی طرح تصویر غیر ذی روح مثل درخت وغیرہ کی اجازت دی گئی ہے۔ اب میں اہل انصاف سے پوچھتا ہوں کہ تعزیہ جو روضہ حسینؑ کی شبیہ ہے کیا غیر ذی روح میں داخل نہیں یقیناً ہے۔ پھر اسے دیکھ کر کس بنا پر تیوریاں چڑھائی جاتی ہیں۔

اگر روضہ شبیر کی نقل بنانے والوں کو قبر پرستی کا الزام دیا جائے تو یہ ایک بیجا اور ایسا الزام ہوگا جس سے تقریباً ہر مسلمان خدا پرستی کے دائرے سے نکل جائے گا اب اسلام گویا صرف معترض کے لئے رہ گیا۔ بہت خوب آخر یہ الزام کیوں دیا جاتا ہے جبکہ اکثر کتب میں نعل مبارک کے نقشے اور روضہ مطہر کی تشبیہیں مع قبر حضرت ابوبکر و حضرت عمر موجود ہیں جن کے نیچے یہ عبارت مرقوم ہے۔ ہذہ صفۃ الروضۃ المبارکۃ التی دفن فیہا رسول اللہ وصاحباہ ابوبکر و عمر یعنی یہ روضہ مقدسہ کی صورت ہے جس میں حضرت رسول خدا اور آپ کے دونوں مصاحب حضرت ابوبکر و عمر مدفون ہیں۔ میں اس کے لئے کتابوں کے حوالے بھی کیوں دوں۔ موجودہ طرز عمل کی ہی طرف اشارہ نہ کروں۔ کیا ہزاروں مسلمانوں کے گھروں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے نقشے آویزاں نہیں کیا ان کو تبرک نہیں سمجھا جاتا۔ پھر نقل روضہ شبیر میں

میں کیا زہر مل گیا ہے۔ بسمانو انصاف - انصاف - انصاف

میں فتاوائے عالمگیری کی مندرجہ ذیل عبارت کو دیکھتا ہوں اور تعجب کرتا ہوں اور اس تعجب میں آپ کو بھی میرے ساتھ ہونا چاہیئے عبارت یہ ہے :" لاباس بتقبیل والدیہ لان رجلا جاء الی النبیؐ فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنۃ وجبہۃ حور العین فامران یقبل رجل الام وجبہۃ الاب قال یا رسول اللہ ان لم یکن ابوانی حیین فقال قبل قبرہما قال فان لم اعرف قبرہما قال خط خطین وانو ان احدہما قبر الام والاخر قبر الاب "۔ خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ایک شخص نے خدمت رسول اللہ میں آکر عرض کی کہ میں نے جنت کی چوکھٹ اور حور عین کی پیشانی چومنے کی قسم کھائی ہے۔ حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی چوم لے عرض کی اگر وہ زندہ نہوں فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دے۔ اس نے کہا اگر مجھے قبریں بھی نہ معلوم ہوں۔ فرمایا دو خط کھینچ لے اور نیت کرکہ ایک ماں کی قبر ہے ایک باپ کی اس عبارت سے جو نتیجہ نکلا وہ آپ سے مخفی نہیں رہ سکتا مجھے تعجب تو اس عبارت پر یا یں وجہ تھا کہ اسلام نے ہر قسم کی آسانی اپنے تابعین کے لئے مہیا کردی لیکن بعض حاملان شریعت صرف عزاداران و تعزیہ داران حسینؑ کے لئے یہ آسانی جائز نہیں رکھتے اسے بدعت فرماتے ہیں۔ پھر کیا یہ تعجب کی بات نہیں اور کیا آپ کو بھی متعجب ہونا چاہیئے۔

نہیں سے یہ استناد بھی ہو سکتا ہے کہ تعزیے کو چومنا بہر حال اولے ہوگا جبکہ قبر والدین کے لئے یہ فعل جائز ہے۔ تعزیہ اس لئے روضے کی نقل ہے جسکا درجہ بحیثیت ایک روحانی معلم کے ماں باپ سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ اہل انصاف اس امر کے قائل ہیں وہ تعزیہ خود بناتے بھی ہیں اور اس کی تعظیم بھی کرتے ہیں۔

اگر میں ان تمام علماء و صلحا کے حالات آپ کے سامنے پیش کروں جو قبور مقدسہ کی شبیہیں بناتے تھے اپنے مرشدوں کی تصویریں کپڑوں میں کھنچواتے تھے۔ جو حجرہ مقدسہ کی شبیہہ تیار کراتے تھے اور تبرکا کرتے تھے۔

جذب نواند ذالک ان یزور الشال من لم یتمکن من زیارۃ الروضۃ ولیشاہدہ مشتاقاً۔ تو ایک

جذب کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ جس شخص کو روضۂ مقدسہ کی زیارت ممکن نہیں۔ وہ اس کی شال اور شبیہہ کی ہی زیارت مشتاقانہ حیثیت سے اسکا مشاہدہ کرے ۱۲

طویل دفتر درکار ہوگا اس لئے میں ان سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنے اصلی رنگ طبیعت پر آکر عرض پرداز ہوں کہ اسلام من حیث الاسلام ہر قسم کی ترقی کا معدن ہے وہ کسی طرح کی جائز ترقی کا سد راہ نہیں ہوتا۔ وہ کسی علم وفن کو بغیر وجہ معقول نگاہ تنفر نہیں دیکھتا۔ اگر ایسے ہی سخت طریقے سے جیسا کہ آج کل کے بعض جاہلان شریعت مدعی ہیں اسلام ہر قسم کی تصویر کشی کو ناجائز اور حرام قرار دے تو وہ یقیناً ایک بہت بڑی اور دنیا میں بے حد کام آنے والی صنعت (مصوری و انجینری و نقشہ کشی) کا مٹانے والا کہا جائے گا یہ ہے وہ زبردست اعتراض جو مہذب اقوام کی طرف سے پیش ہوگا۔ جس کا جواب کچھ نہیں دیا جاسکیگا۔ لہذا عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ اسلام نے اس سختی کے ساتھ کسی چیز کی تشبیہ کو جو بذریعہ مُوقلم بنائی جائی یا بواسطہ دیگر اشیاء حرام کیا ہو۔ یہ خیال صرف اُن لوگوں کا ہوسکتا ہے جو فقط اپنے ہی دماغ کو احکامات اسلام کا مخزن سمجھتے ہیں ورنہ وہ علما جو غائر نظر سے کام لینے والے ہیں اس خیال کو پاس بھی آنے نہیں دیتے۔ غیر ذی روح کی تشبیہ تو جائز ہی ہے۔ وہ تو اس میں بحث کرتے ہیں کہ ذی روح کی تصویر بھی جائز ہے اور جو احادیث اس کی ممانعت میں آئی ہیں وہ ماوّل ہوسکتی ہیں خیر ان صاحبان فتوے سے تو ہمیں کسی بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہئیے۔ کیونکہ ایک مدت سے یہ امر گویا اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے۔ مگر ہاں تعجب ان لوگوں سے ہوتا ہے جو روشن خیالی کے مدعی ہوکر ان کی ہاں میں ہاں ملانے کو تیار ہیں۔ وہ لوگ اگر تعزئے کو بُت کہتے ہیں تو یہ اسٹچو سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ دونوں ان لفظوں کا استعمال غلط طور سے کر رہے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ کہ یہ لوگ بت اور اسٹچو کے معنی نہیں سمجھتے یا اس کے استعمال سے ناواقف ہیں میں یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اسٹچو کا صحیح ترجمہ مجسمہ ہے اور یہ ہر ایسی تصویر ذی روح کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو پتھر یا دھات سے بنائی گئی ہو تعزیہ کو اس سے علاقہ کیا۔ کسقدر نامناسب اور دلشکن حرکت ہے کہ محض تعزئے داروں کا دل دکھانے کے واسطے کسی لفظ کا غلط طور پر استعمال کیا جائے۔

تعزئے کی تعظیم کو بت پرستی سے تعبیر کرنا ایسا ہی غلط ہے جیسے تعزئے کو بت سے تشبیہ دینا۔ اینٹ۔ چونا وغیرہ بجائے خود کسی عزت کے مستحق نہیں لیکن جب وہ کسی مسجد یا کسی بزرگ کے مزار کی ہیئت میں آجاتے

ہیں تو لامحالہ واجب التعظیم ہیں۔ اسی طرح وہ اجزا کہ جن سے تعزیہ بنایا جاتا ہے بجائے خود معمولی چیزیں ہیں مگر اُن کی وہ ہیئت جو نقل روضۂ شبیرؑ میں صرف ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ لایق تکریم ہے تعزیے داروں کو پھبتیوں اور کاغذوں کے پوجنے کا الزام دینا ایک غلط الزام ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ٹھنڈے دل سے نہیں لکھے جاتے ان سے قائل کا اندرونی تعصب صاف طور پر جھلکتا ہے میں عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص تعزیہ کو سجدہ بھی کرے تو اُسے کیوں سجدۂ تعظیمی پر محمول نہیں کیا جاتا جس کی تشریح علمائے کے کلام میں موجود ہے اور کیوں خواہ مخواہ ایک مسلمان کو مشرک کہہ کر سوا خدا اُخروی خریدا جاتا ہے۔

اسراف کا اعتراض بھی کوئی وقیع اعتراض نہیں۔ شاید ہمارے دوستوں نے اور کل اسرافات کے دروازے بند کردیئے۔ یورپین تمدن کی طرف مائل ہونے سے مسلمانوں پر جو اسراف کی بلا نازل ہو رہی ہے اُسکا سدباب ہو چکا خداوند عالم اگر سوال کرے گا تو اُن سے جو "خویشتن سیم و غلہ اندوزند" کے مصداق ہے اور یتیم بچوں کی جانیں بھوک پیاس سے لبوں پر آگئیں خداوند عالم اگر پوچھے گا تو اُن سے جو دن رات تن پروری۔ فضول نمایش نازیبا نمود اور بیجا خواہشات میں غرق ہے اور قوم کی بیواؤں کو تمام رات چکّی پیسنے پر بھی پیٹ بھر کے روٹی نصیب نہوئی۔ تعزیہ داروں سے اگر دریافت کیا جائے گا تو وہ جواب دیں گے کہ خداوندا تو عالم و دانا ہے تو نیتوں کا حال جانتا ہے۔ ہم نے جو کچھ صرف کیا وہ تیرے اس دوست کی محبت میں کیا جسے تیری راہ میں اپنی عزیز سے عزیز چیز صرف کرنے میں بھی دریغ نہ ہوا ہم نے اس نام کے زندہ رکھنے میں کوشش کی جس نے احیائے اسلام کے لیے قبل از وقت فنا کا لباس پہن لیا یہ جواب یقیناً پسندیدہ جواب ہوگا۔ خدا کی ان پر رحمت ہوگی شفیع المذنبین ان لوگوں کی شفاعت کریں گے اور حسین علیہ السلام انھیں اپنے ساتھ بہشت میں لے جائیں گے۔ اسی بہشت میں جس کی اصلیت سے آج بعض آرائشِ دنیا میں اُلجھ جانے والی عقلوں کو انکار ہے ہاں ان لوگوں کو البتہ قیامت کی باز پرس کے واسطے تیار رہنا چاہیئے جو یقولون ما لا یفعلون کے مصداق صحیح بن رہے ہیں یہ قوم کے ہمدرد بنتے ہیں مگر درد سے بے بہرہ یہ قوم کے بہی خواہ شمار ہوتے ہیں۔ مگر بہبودی قوم کا حقیقی تصور ان سے منزلوں دور ہے یہ اپنے قدح کی خیر منانے والے یہ آپنے عیش کو دوسروں

کے خون بہانے پر ترجیح دینے والے ۔ یہ ایک میلے کچیلے کپڑوں والے غریب مسلمان پر نفرت کی نگاہیں ڈالنے والے یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو بھوک پیاس کا خنجر ذبح کرنے پر تلا ہو تو ایک نوالہ اس کے پیٹ میں نہ ڈال سکیں ایک پانی کا قطرہ اس کے حلق میں نہ ٹپکا سکیں ۔ نہیں نہیں طعن و تشنیع کی برچھیاں ماریں ۔ جھڑکیں ۔ اس کی حالت زار دیکھ کر ان پر بد دماغی کا جن مسلط ہو جائے ۔ آہ! ایسے لوگ اب عزاداری اور مراسم عزاداری کو بھی مٹانے پر تلے ہوئے ہیں جس کے طفیل سال بھر میں مسکین افراد کا روزہ کھل جاتا ہے حسینی دسترخوان جو ہر سال بچھ کر گرسنہ کو سیر اور تشنہ کو سیراب کر دیتا ہے یہ چاہتے ہیں کہ نہ بچھے اور خیر و خیرات کا دروازہ بالکل بند ہو جائے یہ کس قدر خود غرض انسان ہیں کہ خیرات و صدقات یوں تو ان کے نزدیک اسراف میں داخل ہیں مگر موقعہ پر یہ ان سے خود فائدہ اٹھانے کی تمنا کرتے ہیں ۔ نہیں نہیں فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ گویا مسلمانوں کا خون ان کے ہاتھ سے بہ کر اسراف میں داخل نہیں رہتا ۔ سنو! سنو! تعزیہ داری وہ اسراف ہے جس سے بہت سے مسلمانوں کی روزی وابستہ ہے ۔ یہ اسراف وہ اسراف ہے جس کا بہت سا حصہ مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے ۔ یہ روپیہ کسی غیر قوم کے ہاتھ میں نہیں جاتا یہ کسی غیر ملک کی نذر نہیں ہوتا ۔ دیکھو اگر کاغذ وغیرہ غیر ملک کی چیز سمجھی جائے تو یہ ایک اضطراری فعل ہے ۔ جب تم میں اپنی ضروریات کے پیدا کرنے کا مادہ نہ رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تم خود اپنا طرز عمل دیکھو ۔ تمہارے گھروں میں رتی سے لیکر رائی تک ہر چیز جاپان جرمن وغیرہ کی بنی ہوئی نظر آئے گی ۔ پھر تم دوسروں پر اعتراض کرنے کا کیا حق رکھتے ہو جبکہ تمہاری حالت اس پستی تک پہنچی ہوئی ہے ۔ اگر چہرے پر آنکھیں ہوں اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو صاف معلوم ہوگا کہ تعزیے داری نے ہماری صنعتی تحریک کو کسقدر جلا دے رکھی ہے اس نے صنعتی مذاق مسلمانوں سے مفقود نہیں ہونے دیا ۔ تم صنعت و حرفت کو قومی اور ملکی زندگی کے لئے اپنے اقوال میں آبحیات سے تعبیر کرتے ہو تم اخباروں کے کالم اس کی تعریف میں سیاہ کرتے ہو ۔ تمہارے لیکچر ۔ تمہاری اسپیچیں ۔ تمہاری تقریریں ۔ تمہارے فنن اپیل مواعظ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ تم صنعت و حرفت کے ممد و معاون ہو تم چاہتے ہو کہ قوم کا سفید خون یعنی روپیہ جمع کر کے جس کے

ذریعہ سے تمہارے ہاں قوم۔ جاپان۔ پیرس۔ امریکہ۔ جرمن وغیرہ ممالک میں جائیں صنعت
وحرفت سیکھیں اور کچھ نہ سہی۔ مٹی کے کھلونے اور چینی کی گڑیاں ہی بنانی سیکھ آئیں۔ پھر تم اُن کا دھوم
دھام سے استقبال کرو۔ انھیں رخصتی اور استقبالی ایڈریس دو۔ مگر افسوس کہ تعزیے کے باب میں
تمہارا یہ جوش وخروش دماغ کے کون سے گوشہ میں چھپ کر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ تم اس کی تخریب کیوں
درپے ہو جاتے ہو۔ حالانکہ یہ ہند کی مخصوص اور مایہ ناز صنعت کہی جاسکتی ہے یہ پتہ دیتی ہے کہ ہندی
دماغ ابھی صنعت کے مذاق سے خالی نہیں ہوئے۔ صنعت کی آنکھ اس پر مسرت کی نظریں ڈال رہی ہے
اور تم ہو کہ تمہارا غصہ اُترنے ہی میں نہیں آتا۔ دیکھو ہر مسئلہ پر غور کرنا سیکھو۔ اگر آج یک قلم ہندوستان
سے تعزیہ کا رواج اُٹھا دیا جائے۔ تو ہزاروں مسلمان فاقے مرنے لگیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے عمر
بھر میں سوائے اس کے دوسرا کام نہیں سیکھا۔ اب یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ تم انھیں کس مد میں کھپاؤ گے کسی
میں نہیں۔ تمہارے پاس ان کے لئے سوائے چند لفظوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ہمدردی کے سمندر میں
ایسا ہی تلاطم ہوگا تو بیش بریں نیست کہ تم اُن کی حالت پر اظہار افسوس کر کے رہ جاؤ گے جس سے نہ ان کا
پیٹ بھر سکتا ہے نہ پیاس بجھ سکتی ہے نہ تن ڈھکا جاسکتا ہے اور نہ اُن کے اہل وعیال خورد و نوش
کی تنگی اور انتہائی تنگی سے نجات پا سکتے ہیں۔ مگر شکر ہے کہ یہ منظر دنیا کے سامنے نہیں آسکتا حسینؑ
جیسے برگزیدہ نفس کی روحانی قوت ان لوگوں کی سرپرستی کے لئے تیار ہے۔ وہ تمہاری مخالف
آوازوں کو تو مصلحتاً بند نہیں کرتی۔ مگر ہاں اُن کے اثرات کو مٹا دینے میں پوری کامیاب ثابت
ہو رہی ہے بس اگر سعید ہو تو خاموش ہو جاؤ۔ اگر نیک بختی کا حصّہ لئے ہوئے ہو تو چپ ہو رہو
لبوں پر مہر سکوت لگا لو اور اس بارے میں بالکل لب کشائی نہ کرو ورنہ تم اپنے اقوال کی خفت، سبکی اور آبرو ریزی دیکھ لو گے اور اب بھی دیکھ رہے ہو۔

تعزیہ کچھ شک نہیں کہ ایک مفید صنعت ہے اور اس صنعت کا فائدہ مذہبی دائرے کے اندر رہ کر
حاصل ہو سکتا ہے۔ کسقدر بدنصیبی کی بات ہے کہ ایسی چیز کے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے اس
میں قباحت کے پہلو وہی دیکھ سکتا ہے جسکی آنکھیں چاروں طرف سے سلی ہوئی ہوں اور جسے

اپنے تاریک اور دھندے خیالات کے آگے اچھا برا کچھ سجھائی نہ دیتا ہو۔

مہذب قوموں کی خندہ زنی کا خوف تعزیہ داروں کو دلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اس فعل پر مہذب اقوام ہنستی ہیں یہ ارشاد ایک عجیب و غریب ارشاد ہے مہذب قوم سے مراد غالباً یورپین اقوام ہیں مگر ان کا طرز خیال حسینؑ کے بارے میں جو دیکھا جاتا ہے تو وہ حسینؑ اور عزائے حسینؑ کو رشک اور غبطے کی نظر سے دیکھ رہے ہیں نام کے مسلمان تو حسینؑ کی شہادت کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں مگر اہل یورپ کی محققانہ نگاہیں اس شہادت میں عجیب و غریب جلووں کا نظارہ کرتی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اہل یوروپ ہر ایک معاملے پر دوسرے خیالات سے خالی الذہن ہو کر نظر ڈالتے ہیں اس لئے انہیں ہر معاملہ کی اصلیت دریافت کرنے میں بہت جلد کامیابی ہو جاتی ہے برخلاف بعض مسلمانوں کے کہ انھیں حسینؑ کی شہادت پر نظر ڈالتے ہوئے سینکڑوں وساوس دامنگیر ہوتے ہیں۔ وہ کبھی کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ کی وفات کا دن روز شہادت حسینؑ سے زیادہ غم و الم کا مستحق ہے۔ کبھی حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے یوم وفات و شہادت کو پیش کیا جاتا ہے کبھی حضرت علیؑ کی شہادت کو اہمیت دیجاتی ہے فی الحقیقۃ یہ تمام ابلہ فریبی کی باتیں ہیں شہادت حسینؑ کی اہمیت پر قدرت کا طریقہ گواہ ہے اور ہر اسلامی خطہ میں یہ سالانہ قایم ہوتے والی یادگار کہہ رہی ہے کہ حسینؑ کی شہادت کو قدرت کی نظر میں ایک عجیب درجہ حاصل ہے

مہذب اقوام کی خندہ زنی کے خیالی بھوت کی تصویر جو تعزیہ داروں کے سامنے پیش کی جاتی ہے افسوس ہے کہ اسکا خارج میں کہیں وجود نہیں پایا جاتا صرف قائل کی قوت متخیلہ ہے کہ نئے نئے لباس میں اس کی آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو رہی ہے اور وہ ایک وہمی وجود کو اصلیت کے رنگ میں دیکھ رہا ہے آجتک دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا کہ کسی یوروپین نے تعزیہ کے متعلق تحریراً و تقریراً وہ زہر اگلا ہو جسکا اظہار بعض مسلمانوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس معاملے میں گفت و شنید کرنے والے مسلمان ہی دکھائی دیں گے نہ کہ اور۔ بد نصیبی سے اسلام کو آجتک اپنوں ہی کے ہاتھ سے زخم زخم ہونا پڑا ہے نہ کہ غیروں کے ہاتھ سے مہذب اقوام میں یادگار قائم کرنے کا دستور اعلیٰ پیمانہ پر موجود ہے چونکہ حسن اتفاق سے وہ مولوی یا ملا واقع نہیں ہوئے اس لئے حرمت

حقیقت کا جھگڑا ان کے ہاں اس طریق سے نہیں ہوتا وہ اپنے قابل یادگار افراد کی تصویریں اور مجسمے بہ کثرت بنا کر ملکوں ملکوں میں قایم کرتے ہیں اور اس طریق سے تاریخی کتاب میں ایک اور باب اضافہ کرتے ہیں۔ اگر عیسائی دنیا میں کوئی حسین سا اولوالعزم شخص گزر جاتا تو آج دیکھتے کہ اس کی یادگار کن کن صورتوں سے قایم کی جاتی ہے مگر مسلمان اور ادبار کے سائے میں آئے ہوئے مسلمان ایسی یادگار کو مٹانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ نہیں۔ نہیں انھیں حسینی یادگار کے ساتھ ہی ایک خاص کدورت ہے جس کا سبب میں نہیں جانتا کیا ہے۔ خود انھیں بزرگوں کو بجائے خود سوچنا تو چاہئے۔

اول تو لا تسلّم والا معاملہ ہے۔ یعنی مجھے یہی تسلیم کرنے میں عذر ہے کہ مہذب اقوام تعزیہ داری پر ہنستے ہیں جبکہ میں اُن کے قابل افراد کے قول اُس کے محاسن کے متعلق دیکھ چکا ہوں۔ اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو اُن کی خندہ زنی کے خوف سے تو آپ کو بہت سی اسلامی رسوم سے صرف رسوم نہیں بلکہ واجبات و فرائض سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا۔ آپ کی نماز کی اٹھک بیٹھک ان کے نزدیک کب داخل تہذیب ہے۔ ان کی تہذیب تو یہی ہے کہ اگر خدا کو کوئی ہستی سمجھ کر اس کی عبادت ضروری سمجھی جائے تو ایک آراستہ کمرے میں کرسی پر مع بوٹ و سوٹ ڈٹ گئے اور خدا کا دھیان کر لیا۔ ایسا ہی ہوا تو اتوار کے دن گرجا جا کر پادری صاحب کا ڈیڑھ لکچر سن لیا اور چھٹی ہوئی یہ پانچ وقت کی بیگار اُن کے نزدیک مستحسن نہیں۔ یہاں تک بھی خیر ہے سب سے زیادہ مضحک منظر تو حج کے موقعہ پر دکھائی دیتا ہے۔ حاجیوں کے گھٹے ہوئے ننگے سر ننگے پاؤں۔ ایک لنگ سے بدن ڈھانکے ہوئے۔ کبھی کعبہ کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ کبھی صفا و مروہ کے درمیان سعی ہو رہی ہے۔ کبھی کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔ کبھی لبیک لبیک کا نعرہ بلند ہوتا ہے احرام کی حالت میں۔ جوئیں پڑ جائیں۔ پڑ جانے دو۔ کسی ذی روح کو مارا اور کفارہ سر پر سوار ہوا۔ اس مقام پر مجھے ایک دلچسپ لطیفہ یاد آگیا غالباً حضرت عبداللہ بن عمر سے کسی نے پوچھا کہ احرام کی حالت میں اگر کوئی شخص مچھر کو مار ڈالے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے۔ انھوں نے فرمایا مجھے تعجب ہے ان اہل عراق سے یہ مچھر کے مار ڈالنے کا تو کفارہ پوچھتے ہیں اور نواسہ رسول کا خون انھوں نے حلال سمجھ لیا۔ خیر غرض یہ ایک عجیب و غریب نظارہ ہوتا ہے۔ جسے زمانہ حال کے ایک اسلامی فلاسفر نے وحشیانہ اچھل کود سے تعبیر کرتے ہوئے

اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ اب انصاف سے کہئے کہ وہ اقوام جو آپ کے نزدیک مہذب ہیں اسے دیکھ کر نفرت انگیز ہنسی سے کام نہ لیں گی؟ پس اگر ایسا ہی دوسروں کی خندہ زنی کا خوف ہے تو ان اعمال سے دست بردار ہو جائیے افسوس مسلمانوں کو کیسے بڑے مغالطے میں ڈالا جاتا ہے یہ تو ایک سیدھی سی بات ہے کہ اگر وہ لوگ ہمارے افعال پر ہنستے ہیں تو ہنسنے دو۔ ہمیں ان کے اطوار کب بھاتے ہیں کیا ایشیائی غیرت ٹھنڈے دل سے دیکھ سکتی ہے کہ ہماری بیوی ایک نامحرم شخص کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر سبزہ زاروں کو پامال کرتی پھرے کیا ایشیائی خون اجازت دیتا ہے کہ وہ فیشن ایبل ناچ ہماری سوسائٹی میں آجائے جو اہل یورپ میں عام طور سے رائج ہے۔ کیا یہ امر ہمارے نزدیک پسندیدہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا باپ ہم سے کسی شہر میں ملنے آئے اور ہماری اخلاقی قوت اُسے اپنے گھر میں ٹھیرانے اور اس کی ضروریات فراہم کرنے کی ضرورت نہ سمجھے اور وہ کسی ہوٹل یا سرائے میں ایڑیاں رگڑ کر چلا جائے۔ خوب یاد رکھو کہ مشرقی تہذیب کی آنکھ ایسے اخلاق کو نہایت پستی کی حالت میں دیکھ رہی ہے۔ مگر ہم ان پر اعتراض کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے ہر ملکے و ہر رسمے۔ پھر انہیں ہم پر اعتراض کرنے کا کونسا حق حاصل ہے۔ اگر وہ واقعی مہذب ہیں تو کبھی خواہ مخواہ دوسروں پر اعتراض کر کے اُن کی دل آزاری نہ کریں گے اور اگر اُن کے اخلاق کا ہی اقتضا ہے تو بسم اللہ۔ مگر ہمیں اُن کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

سب سے زیادہ یہ امر قابل غور ہے کہ ہماری مشرقی تہذیب ایک حد تک اسلامی تہذیب ہے ہم دوسروں پر اس کا اثر ڈالنے کی کوشش کریں نہ یہ کہ پیرس و لندن کے پریزادوں کی گود ہمیں ہی اپنے سائے میں لے آئے اور حسن ظاہری کی مقناطیسی کشش سے ہم ہی کھنچتے ہوئے چلے جائیں۔ اگر ان جنوں خیز ہواؤں سے اسی طرح متاثر ہوتے رہے تو ہمیں ایک نہ ایک دن تعزیہ تو ایک طرف نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ وغیرہ سے قطعی دست بردار ہونا پڑے گا۔ ایک نرالے مذہب پر ہم قائم ہوں گے اور افسوس کہ وہ اسلام نہ ہو گا۔ اسلام نفرین کرتا ہوا ہم سے رخصت ہو جائے گا۔

اب یہ اعتراض کہ عشرے میں میلہ لگتا ہے عورتیں باہر نکلتی ہیں فواحش کا ارتکاب ہوتا ہے کچھ عجیب قسم کا اعتراض ہے میلہ سے مراد اگر اجتماع ہے تو یہ لامحالہ ہو کر رہے گا۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ یہ غم کا میلہ ہو گا۔ ہاں جو لوگ

جشن منانے والوں کی حیثیت سے اس میں شریک ہوں۔ انھیں احتراز کرنا چاہیے اور غالباً کرتے بھی ہیں۔ سوگواروں کے حلقے میں داخل نہیں ہوتے۔ اب رہا یہ امر کہ ایسے لوگ قطعی آتش ہی نہیں یا ان کی لبستگی کی چیزیں دوکانیں وغیرہ لگنے ہی نہ پائیں تو اسکا علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی قوت نہیں ہے جو ان افعال کو روک سکے۔ لکھنؤ کی کربلا میں اسی قسم کی اصلاحیں کی گئی تھیں جن پر دونوں فریق میں وہ شکر رنجیاں پھیلیں کہ الٰہی تیری پناہ۔ اب رہی عورتوں کی شرکت۔ سلیقے شرفا کی عورتیں خواہ سنی ہوں یا شیعہ وہ نہ باہر نکلتی ہیں نہ کہیں جاتی ہیں وہ اپنے گھر میں ہی عزاداری کرتی ہیں وہیں مجلسیں کرتی ہیں۔ باقی اراذل اقوام کے لیے کسی جگہ کسی وقت بھی روک ٹوک نہیں ایک عشرۂ محرم پر ہی کیا منحصر ہے۔ یہی حال اوباشوں کا ہے۔ انھیں کسی حال میں نہ خدا سے شرم نہ رسولؐ سے یہ تو وہ لوگ ہیں جن کا روزہ بھی افطار ہوتا ہے تو شراب سے یہ ظاہری زندہ دلی پر مٹنے والا گروہ عید اور بقرعید کی راتیں جس طرح بسر کرتا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں یہ تو خیر اوباشوں کا حال ہے۔ حاجی صاحبان حج کے موقع پر کیا کیا کارگزاریاں کرتے ہیں۔ مگر اصل یہ ہے کہ مذہب کسی کے ذاتی فعل کا ذمہ دار نہیں ہوا کرتا۔

المختصر اعتراضات مذکورۂ بالا نہ صرف غلط ہیں بلکہ در پردہ حسینؑ۔ حسینؑ نہیں اسلام کی دشمنی ظاہر کرتے ہیں مگر اس دشمنی کا نتیجہ نہ دنیا میں ہی کچھ اچھا ملتا ہے نہ دین میں اسلام کے منصف مزاج طبقے کے نزدیک حسینؑ کی سوگواری ایسی ہی مسلّم ہے جیسے کہ اور ضروریات مذہبی حقیقتہً اگر غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو اس عزاداری کا فائدہ خود ہماری ہی ذات سے وابستہ ہوتا ہے۔ ہم اس سے علاوہ اُخروی ثواب کے دنیاوی بہبودیاں بھی حاصل کرتے ہیں۔ اسلاف اور اولوالعزم اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھنا علامت ہے زندہ دلی کی اور اس امر کی کہ ابھی ہم میں وہ روح باقی ہے جو حیات کی خواہش کر رہی ہے۔ برخلاف اس کے جو لوگ بزرگوں کے نشان مٹانا چاہتے ہیں زمانہ کا زبردست ہاتھ خود بھی بہت جلد ان کو فنا کر دیتا ہے۔ آج جب اسلام کے جسم پر بیشتر زخم لگے ہوئے ہیں۔ ان کا اندمال کرنے والی۔ ان پر مرہم آبی کے بجائے چڑھانے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ وہی آنسو ہیں جو حسینؑ کی عزاداری میں رخساروں پر

جاری ہوتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی طبیعت کا میلان ہے کہ جب دو شخص باہم مل کر یکساں حیثیت سے کسی کے غم خوار ہوتے ہیں۔ کسی کا درد یکساں طریق سے اُن کے دل میں پیدا ہوتا ہے تو خود بخود عشق کی چنگاری اُن کے دل میں چمکتی ہے اور یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے کچھ نہ کچھ ہمدرد بن جاتے ہیں بدقسمتی سے اسلام کے لئے وہ دن آگیا ہے کہ اس کے باہمی تفرقے اب اس حد تک پہنچ گئے ہیں جن کا اجتماع نہ صرف ناممکن بلکہ محال نظر آتا ہے کہنے کو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ سب مسلمان ایک خدا کے ماننے والے ایک رسولؐ کے پیرو حشر ونشر کے سب قائل بہشت و دوزخ کے سب معترف پھر اتنا اختلاف کیوں ہے؟ بات اصل یہ ہے کہ قول جب تک کہ محض قول کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس اشتیٰ کا مصداق ہے ایک نقطہ پر جمع کرنیوالا ہوتا ہے عمل اور طرز عمل میں اتنا اختلاف واقع ہوا ہے کہ کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔ کوئی عبادت ایسی نہیں رہ گئی جسے کل مسلمان ایک حیثیت سے بجالائیں گو امر نصب العین سب کا ایک ہی ہے مگر اس کے طرز حصول میں بے حد تباین ہے جس کا صریحی نتیجہ یہ ہے کہ ایک دوسرے پر تضحیک زنی کرے۔ عزاداری اور حسینؑ کی عزاداری ایک ایسی چیز ہے جس میں کل مسلمانوں کو اتفاقاً ایک حیثیت سے حصہ لینا چاہیے۔ مگر میں ان لوگوں کے لئے کون سے لفظ استعمال کروں جنھوں نے یہاں بھی تفریق کے تیور دکھائے یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ فرقہ شیعہ جواب کوئی کمزور فرقہ نہیں ہے اس عزاداری کو جزو ایمان سمجھتا ہے اسے شعائر اسلام سے شمار کرتا ہے اور بہت سے سمجھ دار منصف مزاج اور با خدا اہلسنت بھی اس کے ساتھ ہیں پھر یہ لوگ کیونکر اس منظر کو بطیب خاطر دیکھ سکتے ہیں کہ عزاداری کی مخالفت میں تمہارے فتوے شائع ہوں۔ قلم گردش کریں۔ اخبارات کے کالم سیاہ کیے جائیں۔ ان پر قہقہہ اڑایا جائے انھیں بت پرست۔ کافر اور خدا جانے کیا کیا کہا جائے۔ عاشورے کا وہ المناک دن جو اسلامی دنیا کے لئے سخت مصیبت کا دن ہے تم اُسے یوم عید قرار دو۔ وہ روئیں۔ تم ہنسو۔ وہ خاک اڑائیں۔ تم ہنسی اڑاؤ وہ ماتم کریں تم تالیاں بجاؤ۔ اگر تمہارے دل میں احساس ہو۔ اگر تم کسی سوگوار پر طاری ہونے والی کیفیت کا اندازہ کرسکو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ ایسی حالت میں اُس پر خندہ زنی کرنا کیسے کیسے نتیجے پیدا کرتا ہے اور وہ کہاں تک تم سے دشمنی کا اظہار کرسکتا ہے۔ پس کیوں نہیں حذر کیا جاتا ان زہریلے نشتروں سے

جو اتحادی رگوں کا خون چوس کر۔ قوم کی قوم کو ایک مردہ بیجان بنا جایا کرتے ہیں۔

تم یہ کہتے ہو کہ رسول اللہ اور اُن کے اصحاب کے یوم وفات غم و رنج کے مستحق ہیں اچھا ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ہیں۔ بھئی اُن کی عزاداری سے منع کون کرتا ہے۔ تم شوق سے اُن کے عزادار بنو ہم تمہارے شریک ہیں۔ مگر عشرہ محرم کو آخر اس سے کیا علاقہ؟ چونکہ رسول اللہ و حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت علی کے یوم وفات و شہادت پر مغموم ہونا چاہیے اس لئے عاشور محرم کو حسینؑ کی عزاداری نہ کرو" یہ قضیہ کونسی منطق کی رو سے مترتب ہوگا اور اسکا نتیجہ عقلا کے نزدیک کہاں تک قابل تسلیم ہوگا رسول اللہ اپنی جگہ۔ جناب شیخین اپنی جگہ۔ حضرت علیؑ اپنی جگہ۔ حسینؑ اپنی جگہ۔ بیکس حسینؑ پر آنسو بہانے اور اس کی تعزیہ داری کرنے سے یہ تو لازم نہیں آئے گا کہ دیگر حضرات پر سوگ نشین ہونیکی اہمیت کم ہو جائے۔ مگر مسلمانو! میں ایک بات پوچھتا ہوں۔ دیکھنا انصاف سے جواب دینا رسول اللہ کی وفات کے دن آپ کے ہاں کتنی مجالس عزا برپا ہوتی ہیں۔ جناب شیخین کے یوم ارتحال پر بذریعہ مجالس کہاں تک آپ اظہار افسوس کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی شہادت اپنا غم انگیز اثر آپ پر کہاں تک اثر ڈالتی ہے۔ افسوس آپ کے سب اقوال برائے گفتن ہیں نہ برائے کردن یہ ایسے عذرات ہیں جنہیں بلا خوف تردید لاطائل کہا جا سکتا ہے یہ ایسے بہانے ہیں جنہیں ایک خاص قسم کی طبیعت تراشا کرتی ہے۔

مسلمانو! اسوقت تک میں نے عزاداری کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے نہ کسی پر طعن کا ارادہ ہے نہ تشنیع کا مجھے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں اور نہ کسی کا دل دکھانا میرا مقصد مگر ہاں دل دکھتا ہے ان اعتراضات کی بھیانک آوازیں سنکر جو حسینؑ کی عزاداری پر کئے جاتے ہیں۔ جگر خون ہوتا ہے ان تہمات پر جو برگزیدہ یادگار پر قائم ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور ملایم لفظوں میں اُن کی اصلیت بھی دکھا دی ہے میں ایک ہدایت کی روشنی دیکھ رہا ہوں۔ آؤ تم بھی اُسے دیکھو۔ کاش تم اسے دیکھ سکو۔ زمانہ اپنی معمولی رفتار پر آگے چلا جاتا ہے۔ سنو! یہ دنیا یقینی طور پر گذشتنی اور گذاشتنی ہے اس کے فریب میں آکر کوئی ایسا کام نہ کرو کہ قیامت کے دن جبکہ سوا نیزے پر آجانے والے سورج کی گرمی دماغ کا گودا پگھلائے۔ حسینؑ کا ہاتھ ہو اور تمہارا گریبان ۞

تمت بالخیر

(کتبہ السید الطاف حسن امروہوی)

برکات محرم فنڈ

مقاصد

(۱) مختلف رسالے بحمایت عزاداری امام حسین علیہ السلام مسلمانوں میں مفت تقسیم کرنا۔

(۲) اُن اعتراضات کا مہذب طریقے سے دفاع جو عزاداری پر کیے جاتے ہیں۔

(۳) مسلمان واعظین کا تقرر جو اطراف ملک میں گشت کرکے اس متبرک یادگار کیطرف مسلمانوں کو دعوت دین اور اسلام کی حقیقی روشنی پھیلائیں

(۴) بوقت ضرورت و مصلحت کسی موقت الشیوع رسالے کا اجرا جو ہر گوشہ ملک کی عزاداری کی پوری کیفیت و دیگر امور متعلقہ "برکات محرم فنڈ" شایع کیا کرے

(۵) مفلس اور نادار تعزیے داروں کی امداد

(۶) حمایت عزاداری میں جو رسالے شائع کئے جائیں گے۔ اُن کے ترجمے انگریزی اور ہندی میں بھی ہونگے

ضروری باتیں

(۱) چونکہ ہر منصف مزاج مسلمان سید الشہدا علیہ السلام سے ہمدردی رکھنے پر مجبور و مجبول ہے اس لئے یہ مسلمانوں کا "مشترکہ فنڈ" ہے۔

(۲) ہر مسلمان پر اس کی حمایت ایسی ہی لازم ہے جیسے دیگر دینی امور کی

(۳) ہر وہ مسلمان جو عشرہ محرم میں سید الشہدا کے نام پر خرچ کرتا ہے۔ اسی میں سے اس فنڈ کے

لئے بھی کوئی حصہ تجویز کرے کیونکہ سید الشہداء کی ایک زبردست اعانت ہے۔

(۴) ہر مسلمان اس کا ممبر ہو سکتا ہے

(۵) اس فنڈ میں شرکت کرنے والے حضرات کی تقسیم دو طرح پر ہوگی

(الف) ایک عام معاونین جو یکمشت چندہ کسی مقدار میں سالانہ عطا فرمائیں گے۔

(ب) دوسرے وہ حضرات جو ایک روپیہ ماہوار کے حساب سے چندہ عنایت فرمائیں گے اور ممبران برکات محرم فنڈ کے نام سے موسوم ہوں گے۔